ہفت روزہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

ختم نبوۃ

انٹرنیشنل

جلد نمبر ۱۳ ۔ شمارہ نمبر: ۴۳

KHATME NUBUWWAT

(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

تحفظ ختم نبوت روشن چراغ

قانون شہادت پر شبہات کی حقیقت

مسئلہ ختم نبوۃ

آیت خاتم النبیین

عورت کا مقام تاریخ کے آئینے میں

نعت
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ ہی کے جلووں سے ہر طرف اجالا ہے
ظلمتوں سے انساں کو آپؐ نے نکالا ہے

ربط جسم و جاں میں ہے آپؐ ہی کے صدقے میں
اسم پاک سے چلتی ہر نفس کی مالا ہے

جالیوں سے روضے کی چاندنی سی چھنتی ہے
اس کا نور کیا ہوگا؟ نور جس کا ہالا ہے

صرف اتنا سمجھی ہے عقل ٹھوکریں کھا کر
انؐ کی منزل رفعت، رفعتوں سے بالا ہے

تیرگی کے دریا میں غرق ہونے والوں کو
ماہ و کہکشاں کرکے آپؐ نے اچھالا ہے

حسن بے مثال انؐ کا، شان لازوال انؐ کی
انؐ سے برگزیدہ بس ذات حق تعالیٰ ہے

باعث سکون دل حاصل نشان جاں
انؐ کا نام نامی ہے، انؐ کی ذات والا ہے

اس کو دین و دنیا کی ہر خوشی میسر ہے
جس نے عشق احمدؐ کو اپنے دل میں پالا ہے

غرق بحر عصیاں میں کب کے ہوگئے ہوتے
ہم گناہگاروں کو آپؐ نے سنبھالا ہے

انؐ کی اک نظر سے قبل، انؐ کی اک نظر کے بعد
ہر طرف اندھیرا تھا، ہر طرف اجالا ہے

نغمہ اذاں بن کر گونجتا ہے نام انؐ کا
جس طرف نظر ڈالو، انؐ کا بول بالا ہے

معرفت کے دریا کے آپؐ ہی شناور ہیں
بحر علم و حکمت کو آپؐ نے کھنگالا ہے

اک نظر کرم کی ہو حال زار کیفی پر
آپؐ نے تو ذروں کو کہکشاں میں ڈھالا ہے

محمد زکی کیفی
۱۲ مئی ۷۴ء

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوة کا ترجمان

ہفت روزہ
ختم نبوة
کراچی
انٹرنیشنل

KHATME NUBUWWAT
(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

جلد نمبر ۱۳ ● شمارہ نمبر ۴۳ ● بتاریخ ۶ ذیقعدہ تا ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ ● بمطابق ۷ اپریل تا ۱۳ اپریل ۱۹۹۵ء

اس شمارے میں

۱۔ نعت ـــــ ۲
۲۔ اداریہ ـــــ ۴
۳۔ قرآن کریم مستشرقین کی نظر میں ـــــ ۶
۵۔ روشن چراغ ـــــ ۸
۶۔ قانون شہادت پر شبہات کی حقیقت ـــــ ۱۵
۷۔ مسئلہ ختم نبوت ـــــ ۱۷
۸۔ عورت کا مقام تاریخ کے آئینے میں ـــــ ۱۹
۹۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ـــــ ۲۲
۱۰۔ رشوت کی لعنت ـــــ ۲۴

سرپرست
حضرت مولانا خواجہ خان محمد زید مجدہ

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مدیر مسئول
عبدالرحمٰن باوا

مجلس ادارت
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری
مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
مولانا اللہ وسایا ● مولانا منظور احمد الحسینی
مولانا محمد جمیل خان ● مولانا سعید احمد جلالپوری

مرتب
حسین احمد نجیب

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

تزئین
خوشی محمد انصاری

رابطہ دفتر
جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ) پرانی نمائش
ایم اے جناح روڈ کراچی فون 7780337

مرکزی دفتر
حضوری باغ روڈ ملتان فون نمبر 40978

LONDON OFFICE:
35 STOCKWELL GREEN
LONDON SW9 9HZ U.K.
PHONE: 071-737-8199.

اندرون ملک چندہ
سالانہ ۱۵۰ روپے
ششماہی ۷۵ روپے
سہ ماہی ۳۵ روپے
فی پرچہ ۳ روپے

بیرون ملک چندہ
امریکہ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا ۱۹۰ ڈالر
یورپ اور افریقہ ۷۰ ڈالر
متحدہ عرب امارات و انڈیا ۱۵۰ ڈالر
چیک/ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت
الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ اکاؤنٹ نمبر ۳۳
کراچی پاکستان ارسال کریں

پبلشر: عبدالرحمٰن باوا ○ طابع: سید شاہد حسن ○ مطبع: القادر پرنٹنگ پریس ○ مقام اشاعت: ۱۴۳ پرانی نمائش کراچی

وزیر اعظم پاکستان کی مسلمانوں کے خلاف مغربی ممالک سے امداد کی اپیل

وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ نے اسلامی انتہا پسندوں کے خلاف امریکہ اور مغربی ممالک سے امداد طلب کی ہے۔ وزیر اعظم کے بیان کے دوسرے دن وزارت خارجہ کی طرف سے بھی مغربی ممالک سے اسی قسم کی امداد طلب کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ گذشتہ چند دنوں سے جب سے ہماری وزیر اعظم صاحبہ کے دورہ امریکہ کی تاریخ تعین ہوئی ہے وزیر اعظم صاحبہ اور ان کے وزراء کے اس قسم کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا ہے جبکہ امریکہ کے دورہ کے حتمی پروگرام کے اعلان کے بعد سے پاکستان کے دینی مدارس کے خلاف بھی حکومت کی جانب سے ایک مہم کا آغاز ہوا جس میں بیان بازی سے لیکر مدارس کے خلاف تحقیقات اور چھاپے تک کے اقدامات کئے گئے۔ قبل ازیں ہماری وزیر اعظم صاحبہ جب گذشتہ مرتبہ وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہوئیں تھیں تو انہوں نے اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیا تھا۔ گذشتہ دنوں جب پاکستان کی ایک معزز عدالت نے توہین رسالت مقدمہ میں ملوث دو عیسائیوں کو پاکستان کے قانون کے تحت (وہ قانون جو پاکستان کی سب سے بڑے قانون ساز ادارے قومی اسمبلی نے منظور کیا تھا) پھانسی کی سزا سنائی تو ہماری وزیر اعظم صاحبہ نے اس سزا پر جو رد عمل کا اظہار کیا وہ کسی مسلمان کو زیبا نہیں دیتا انہوں نے کہا کہ مجھے اس سزا پر حیرت اور تعجب ہوا ہے اور پھر وزیر اعظم کی ہدایت پر ایک ہفتہ کے اندر اندر ہائی کورٹ کی پسندیدہ بینچ میں اس مقدمہ کی جس طرح سماعت کی گئی اور جس طرح عجلت میں فیصلہ سنا کر ان توہین رسالت کے مجرمین کو بری کیا گیا وہ پاکستانی عدلیہ کے ماتھے پر ایسا بد نما داغ ہے جس کو عرصہ دراز تک نہیں مٹایا جاسکے گا اس فیصلے سے پوری دنیا میں پاکستانی عدالت کے بارے میں جو تاثر ابھرا ہے اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاکستانی عدلیہ کا اعتماد دنیا میں ختم کر دیا ہے اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ توہین رسالت کے ان مجرمین کو فوری طور پر خصوصی اہتمام کے ساتھ باعزت طور پر پاکستان سے رخصت کر دیا گیا تاکہ ان کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل نہ کی جاسکے۔ صدقہ ذرائع کے مطابق توہین رسالت کے ان مجرمین کو ہزاروں ڈالر بھی دیئے گئے اور سازو سامان بھی حکومت کی طرف سے مہیا کیا گیا۔ گویا پاکستان کے دو بھنگیوں کو یہ مقام اور پروٹوکول اسلئے دیا گیا کہ ان کی سزا پر امریکہ بہادر اور مغربی ممالک نے احتجاج کیا تھا۔ اس وقت پاکستانی مسلمانوں کے یہ دو چھوڑے مجرم باعزت طور پر جرمن کے حوالے کئے گئے اور جرمن حکومت جہاں اگر عام حالات میں یہ جانا چاہتے تو ان کو ویزہ بھی ملنا مشکل ہوتا ہے آج معزز مہمان کی حیثیت سے حفاظتی اقدامات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اس وقت کئی سوالات مسلمانوں کے ذہن میں اٹھ رہے ہیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انتہا پسند مسلمان کون ہیں اور مغربی ممالک اور ہماری موجودہ حکومت اس سے کیا مراد لیتی ہے اس کا جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغربی ممالک یا امریکہ یا ہماری موجودہ غیر شرعی حکومت ان تمام مسلمانوں کو انتہا پسندی کے زمرے میں شامل سمجھتی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا اپنے لئے نجات کا باعث سمجھتے ہیں اور اگر کسی اسلامی ملک میں دشمنوں کی طرف سے کوئی یلغار ہو جائے تو وہ مسلمان اس اسلامی ممالک کی زبانی۔ مالی اور بدنی تعاون کرنا اپنا مذہبی فریضہ ضروری قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اس راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اس کو وہ ملک وملت کے لئے عذاب تصور کرتے ہیں۔ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس کا وجود ہی اسلام کی بنیاد پر عمل میں آیا ورنہ ہندوستان میں جمہوریت یا سیکولر نظام رائج تھا اور تجزیہ نگار اور سیاسی مدبران اور خود مغربی ملک برملا اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ دنیا کے جن ممالک میں جمہوری نظام کامیابی سے چل رہا ہے ہیں اس میں ایک ملک ہندوستان بھی ہے۔ اگر پاکستانی مسلمانوں کا مطمع نظر جمہوریت یا سیکولرزم ہوتا تو ان کو علیحدہ ملک بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ برصغیر ایک جمہوری نظام سے منسلک ہو سکتا تھا لیکن پاکستانی مسلمانوں نے عظیم قربانیاں اس لئے دیں تاکہ وہ اپنے ملک میں آزاد زندگی گزاریں اور اپنا نظام اپنے مذہب کے مطابق ترتیب دیں۔ ان کے ملک کا اجتماعی نظام اسلامی ہو اب جبکہ ملک کا ایک کثیر طبقہ اس نظام کے نفاذ کی بات کرتا ہے تو ان انتہا پسند سے تعبیر کرنا کون سا انصاف ہے۔ وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ ایک طرف تو تمام اسلامی ملک میں اپنے آپ کو اسلام کی نمائندہ قرار دیتی ہیں اور مصر کی کانفرنس میں انہوں نے واضح طور پر اعلان کیا کہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہاں اسلام کا دفاع کروں گی اور دوسری طرف وہ اپنے ملک میں مسلمانوں کو انتہا پسند قرار دیکر ان کے خلاف مغربی ممالک سے امداد طلب کرتی ہیں اس کے باوجود کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی نمائندہ یا مسلمان ملک کی وزیر اعظم کہلانے کا حق رکھتی ہیں ایک طرف تو اگر سیاسی معاملات میں کوئی رہنما عالمی اداروں سے مداخلت کی اپیل کرے تو ہماری وزیر اعظم ان کو غداروں کے زمرے میں شامل کر کے ان کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرتی ہیں اور دوسری طرف علی الاعلان وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مغربی ممالک کو مداخلت کی دعوت دیکر کون سے اسلام کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں پھر پاکستان میں کون سی اسلامی تحریک چلی ہے جس نے ملک کے نظام کو تلپٹ کر دیا ہے۔ پورا نظام مفلوج ہو گیا ہے اور حکومت کا نظام چل نہیں رہا۔ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے اس قسم کے بیانات سے وہ مغربی ممالک کی تو خدمت کر رہی ہیں اسلام یا پاکستان کی اس لئے کوئی خدمت نہیں ہوگی اس لئے وزیر اعظم پاکستان سے ہم یہی کہیں گے کہ اقتدار بھی اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے جب ملک کے عوام ساتھ دیں۔ ان کے مسائل حل ہوں۔ امریکہ یا مغربی ممالک کی خوشنودی سے اقتدار کو نہ دوام مل سکتا ہے اور نہ ہی حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ ایران کے شاہ امریکہ کی حمایت کے باوجود اقتدار کو بچا نہیں سکے بلکہ ان کو جان بچانا مشکل ہو گئی اس لئے اگر پاکستان میں کسی حکومت کو استحکام مل سکتا ہے تو اسی صورت میں جبکہ اسلامی قوانین کا نفاذ ہو اور مسلمانوں کو ان کے دین کے مطابق زندگی گذارنے کی سہولتیں دی جائیں۔ اسلام کا مقابلہ کر کے اس ملک میں اقتدار حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ مغربی ممالک اپنے ملکوں میں

مسلمانوں کی سرگرمیوں کو نہیں روک سکے۔ آج برطانیہ، امریکہ میں ہزاروں مساجد، سینکڑوں دینی مدارس قائم ہیں۔ ہر محلّہ میں مساجد آباد ہیں اور خود برطانیہ اور امریکہ میں مسلمان عورتیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں برطانیہ کے سرکاری اسکولوں میں مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق تحفظ اور نظام فراہم کیا جاتا ہے۔ حکومت پابند ہے کہ ان مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سہولتیں فراہم کرے۔ فرانس میں مسلمان لڑکیوں نے اسکارف پہننے کے لئے مقدمات لڑے۔ یہ انتہاپسندی نہیں بلکہ اپنے مذہب پر عمل کرنا ہے اگر مذہب کی تعلیمات کا لحاظ کرنا اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنا انتہاپسندی ہے تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس انتہاپسندی کی فہرست میں شامل نہ ہو۔ مادر پدر آزاد شخص کو کسی مذہب نے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ پاکستان کا کوئی عالم یا مسلمان ایسا نہیں اور نہ ہی کوئی جماعت ایسی ہے جو اس بات کا دعویٰ کرے کہ مسلمان کے علاوہ کسی شخص کو دنیا میں رہنے کا حق حاصل نہیں۔ غیر مسلموں کو نیست و نابود کر دیا جائے لیکن یہ ہر مسلمان کی خواہش ہے کہ اس کے مذہبی معاملات میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ اس کو اپنے مذہب پر آزادانہ عمل کرنے کا حق دیا جائے۔ مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ امریکہ بہادر اور مغربی ممالک کی خواہش ہے کہ مسلمان اپنے دین پر قائم نہ رہیں بلکہ عیسائی یا یہودی ہو جائیں۔ لارڈ میکالے نے آج سے سو سال قبل جب برصغیر کا نظام تعلیم مرتب کیا تھا تو کہا تھا کہ میں مسلمانوں کو ایسا نظام تعلیم دے رہا ہوں کہ اگر یہ رائج ہو گیا تو اس نظام تعلیم سے استفادہ کرنے والے افراد جسم کے اعتبار سے تو مسلمان ہوں گے لیکن ان کا دل و دماغ عیسائی ہو گا۔ لارڈ میکالے کے اس فلسفے کا آج کل امریکہ اور فرانس علمبردار بنا ہوا ہے اس کی خواہش ہے کہ مسلمان دنیا سے ختم ہو جائیں۔ مسلمانوں میں قوت مدافعت دم توڑ ڈالے۔ وہ امریکہ کے احکامات کو دل و جان سے تسلیم کریں۔ جس ملک میں امریکہ جو چاہے کرے وہ چوں و چرا نہ کریں۔ تمام مسلم ممالک کے حکمران اور عوام امریکہ کے غلام ہوں اس کے خلاف جو ملک آواز بلند کرتا ہے اس ملک کے مسلمان انتہاپسند ہیں۔ بے نظیر صاحبہ امریکہ یا مغربی ممالک کو خوش کرنے کے جو جتن بھی کریں وہ اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک پاکستان یا اسلامی ممالک کے مسلمان دین پر قائم ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یہودی اور عیسائی تم سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی مکمل تابعداری نہیں کر لیتے (سورہ بقرہ)

اگر پاکستان کے مسلمانوں کو انتہاپسند کہا جاتا ہے تو اگر وہ مسلمان پیدا ہو جائیں جو اپنے دین پر مکمل طور پر عمل کرتے ہیں تو ان کو پھر کیا کہا جائے گا اس دور میں تمام علماء کرام کو اس بات پر شکوہ ہے اور وہ ہر وقت خدا سے توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں کہ پاکستانی مسلمانوں نے مذہب اور دین سے بیگانگی اختیار کی ہوئی ہے دینی تعلیمات کو پس پشت ڈالا ہوا ہے وہ اسلام سے مکمل طور پر دور ہو چکے ہیں۔ ذاتی مفادات، گروہی سیاسی لسانی وابستگی نے ان کے دلوں سے اسلام کو نکال دیا ہے اس کے باوجود ان کو انتہاپسند کہنا عقل و سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ پاکستانی عوام تمام تر کوتاہیوں کے باوجود امریکہ کی بالادستی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے امریکہ بہادر کبھی دہشت گرد قرار دینے کی دھمکی دیتے ہیں اور کبھی امداد بند کرنے کی۔ افغانستان میں جب تک روس کے خلاف پاکستانی مسلمان برسرپیکار تھے تو دہشت گرد نہیں تھے۔ امریکہ کی حمایت میں جب سوڈان میں پاکستان فوجی مسلمانوں کو قتل کریں تو دہشت گرد نہیں۔ امریکی حکم سے صومالیہ کے عوام کو کچلنے کے لئے پاکستان کی فوج جائے تو وہ صحیح لیکن اگر پاکستانی عوام یہ مطالبہ کریں کہ پاکستان میں نظام اسلام نافذ ہو امریکہ اور مغربی ممالک کی مداخلت نہ ہو۔ پاکستانی حکومت امریکہ سے ہدایات نہ لے تو پاکستانی عوام دہشت گرد اور منشیات فروش بن جائیں۔ اور ہماری وزیر اعظم صاحبہ کو بھی ان کے مقابلہ میں مغربی ممالک کی امداد طلب کرنا پڑی ہے۔ حکومت کا یہ رویہ کسی طور پر پاکستانی عوام کی خواہشات کے مطابق نہیں ہے اور اس سے ملک کو فائدہ نہیں نقصان ہو گا۔ وزیر اعظم صاحبہ کو اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے ورنہ اللہ کے عذاب کو کسی صورت میں ٹالا نہیں جا سکے گا۔

جہاں تک مسئلہ توہین رسالت کے مجرمین کی سزا پر وزیر اعظم صاحبہ کا رد عمل اس کو بھی کسی طور پر کسی مسلمان کا رد عمل نہیں کہا جا سکتا اور اس رد عمل کے بارے میں مولانا فضل الرحمان سمیت بہت سے علماء کرام نے خود توہین رسالت کے زمرے میں شامل کر کے مقدمہ چلانے کا عندیہ دیا ہے اس بات پر تو بحث کی جا سکتی ہے کہ عدالت نے فیصلہ کرتے وقت شہادات کو پیش نظر نہیں رکھا لیکن فیصلہ پر اس بات کا اظہار کرنا کہ مجھے تعجب اور حیرت ہے بہت ہی افسوسناک بات ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہمارے لئے سب سے مبارک و مقدس ہے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں توہین کا ایک لفظ بھی کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کافروں کے سفیر نے ایک بات کہدی جس سے نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ کی ذات کے بارے میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ تھا آپ غصہ سے سرخ ہو گئے اور اس کافر کو سخت گالی دیکر دھتکارا اور فرمایا کہ اگر سفیر نہ ہوتے تو قتل کر دیتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ لوکی تناول فرما رہے تھے اور ساتھ یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ بہت محبوب تھی۔ ایک صاحبزادے نے عرض کیا کہ مجھے لوکی پسند نہیں۔ آپ غضبناک ہو گئے اور گھر سے صاحبزادے کو نکال دیا اور تمام زندگی اس کا چہرہ نہیں دیکھا اور افسوس کرتے تھے کہ میں نے اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کی محبوب چیز کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے والدین کے بارے میں کوئی سخت جملہ کس دے تو ہم غصہ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ہمارے محبوب ﷺ کے بارے میں کوئی توہین کرے اور عدالت سزا دے اور اس سزا پر تعجب کا اظہار کس طرح مسلمان کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں توہین کرنے والے شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ عیسائی اور یہودی اگر اپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنے پیغمبروں پر تبصرے کریں تو ان کا اپنا مذہب ہے۔ مسلمان تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین برداشت نہیں کر سکتا تو نبی اکرم ﷺ کی توہین برداشت کرنے کا کیا سوال ہے۔ یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر مسلمان نے کبھی سودابازی نہیں کی۔ ایسے وقت میں اس کے سامنے دو پہلو ہوتے ہیں یا اس زبان کو کاٹ کر خاموش کر دے جس نے اس قبیح حرکت کا ارتکاب کیا ہے یا اپنی جان قربان کر دے۔ انگریزی دور حکومت میں غلام ہونے کے باوجود مسلمان نے نبی اکرم ﷺ کی توہین برداشت نہیں کی اور غازی علم الدین شہید نے حضور ﷺ کی توہین کرنے والے ہندو راجپال کو قتل کیا اور عدالت میں اعلان کیا کہ مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کی توہین کرنے والوں کو اس دنیا میں نہیں رہنے دیں۔ مرزا غلام قادیانی کے خلاف حضور ﷺ کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کے جرم میں جہاد کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا موت اور صرف موت ہے اس لئے وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ امریکہ کی خوشنودی کے لئے اس فیصلے پر تعجب کا اظہار کر رہی ہیں تو یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں بلکہ یہ تو خود توہین رسالت کے مترادف ہے۔ [illegible] عیسائیت کی تو حمایت ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کی نہیں۔ امریکہ

مولانا حافظ عبدالشکور

قرآن کریم مستشرقین کی نظر میں

قرآن میں تمام آداب و اصول حکمت و فلسفہ موجود ہیں

مستشرق موسیو سید یو جو فرانس کا ایک محقق اور مشہور دانشور ہے' لکھتا ہے۔

"قرآن ایک واجب التعظیم کتاب ہے۔ جس نے بتایا ہے کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں اور بندوں کے حقوق اور تعلقات خدا سے کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ اس میں فلسفہ اور اخلاق کی ہر قسم کی باتیں مذکور ہیں۔ فضل و کمال' عیب و نقصان' حقیقت اشیاء' عبادات و اطاعات' گناہ و معصیت' غرضیکہ کوئی بات ایسی نہیں جس کا جامع قرآن نہ ہو۔ واقعات کے اعتبار سے اس کی آیتیں رسول اللہ (ﷺ) پر اتر تی رہیں اور یہی ایک چیز تھی جس نے سارے عرب میں قومیت پیدا کی۔ جنگجو قبائل میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈالی اور دنیا میں ایک عالمگیر رابطہ پیدا کیا۔ وہ آداب و اصول جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں جن کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے جو دنیا کو بھلائی اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ وہ اعتدال و میانہ روی کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ گمراہی سے بچاتا ہے' اخلاقی کمزوریوں کی تاریکیوں سے باہر نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا ہے اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات میں بدل دیتا ہے۔ اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے تاریک ضمیر کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن کی ان صریح آیتوں کو بالکل نہیں دیکھتے۔ جن کے اثر سے عرب کی تمام بری اور معیوب عادتیں جو مدت ہائے دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں مٹ گئیں۔ مثلاً بدلہ لینا' خاندانی عداوت کی پابندی و کینہ پروری' جور و تعدی کا اظہار جس کا رواج یورپ میں پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ جو ذلیل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے دختر کشی وغیرہ یہ سب مذموم رسومات قرآن نے مٹا دیں۔"

قرآن فی الواقع عجوبہ روزگار ہے

مسٹر مارما ڈیوک پکتھال نے "مسلمانان لندن کے روبرو خدا کی بادشاہی" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"قرآن جس کے اعجاز کو خود محمد (رسول اللہ ﷺ) نے اکثر اپنے الٰہی مقصد کے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ حقیقت میں ایک معجزہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محمد (ﷺ) اگرچہ تہذیب یافتہ تھے مگر امی تھے اور اس امر میں شک کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے کہ اس عجیب و غریب فصاحت کا ایک بڑا حصہ آنحضرت (ﷺ) کے عالم بیہوشی میں نازل ہوا (نزول وحی کی کیفیت کو "عالم بیہوشی" کہنا عجیب و غریب "دریافت" ہے۔ ناقل) اس کتاب کی سی کوئی اور کتاب صفحہ عالم پر موجود نہیں ہے۔ یہ کتاب فی الواقع عجوبہ روزگار ہے۔"

(پیام امن ص ۳۷)

قرآن غایت درجہ کی موثر اخلاقی نصائح کا مجموعہ ہے

چیمبرس انسائیکلوپیڈیا میں "محمڈن ازم" کے زیر عنوان مرقوم ہے کہ۔

"مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس سے اس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ نہایت کامل اور غایت درجہ کا موثر ہے۔ اس سے ہماری مراد اس کی اخلاقی نصیحتیں ہیں۔ یہ نصیحتیں کسی ایک یا دو تین سورتوں میں مجتمع نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عالیشان عمارت (قرآن) میں سلسلۃ الذہب کی مانند ملی جلی ہیں۔ بالاتفاق' دروغ گوئی' غرور' انتقام' غیبت' استہزا' طمع' فضول خرچی' حرام کاری' خیانت' بدعہدی اور بدگمانی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اور ان کو قبیح و خلاف مذہب بتاتا ہے اور بمقابلہ ان کے خیر اندیشی' فیض رسانی' پاک دامنی' حیا' بردباری' صبر و تحمل' کفایت شعاری' سچائی' وفاعہد' راست بازی' عالی ہمتی' صلح پسندی' حق دوستی اور سب سے بڑھ کر توکل بر خدا اور انقیاد امر الٰہی کو سچی ایمانداری کی اصل بنیاد اور مومن صادق کا اصلی نشان قرار دیا ہے۔

قرآن میں ایک وسیع جمہوریہ کے تمام آئین موجود ہیں

مسٹر اڈلف کرہل اپنی کتاب "دی لیبن دی محمد" جو بمقام لیپ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی' میں لکھتے ہیں۔

"قرآن عقائد و اخلاق اور نیز ان پر مبنی قانون کا ایک مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوریہ کے تمام آئین و اصول کے لئے رشد و ہدایت کے لئے انصاف و عدالت کے لئے فوجی تنظیم و ترتیب کے لئے مالیات کے لئے غرباء کے متعلق نہایت محتاط قانون سازی کے لئے بنیادیں رکھی گئی ہیں لیکن ان تمام کا سنگ بنیاد ذات باری تعالیٰ کا اعتقاد ہے جس کے قبضہ قدرت میں انسانوں کی قسمتوں کی باگ ہے۔"

قرآن ضرور الہامی کتاب ہے

ریورنڈ آرز میکسویل کنگ اپنی تقریر "دین اسلام" میں جو ۱۷/جنوری ۱۹۱۵ء کو قدیم پریبائٹرین چرچ نیو نارواز میں کی گئی' فرماتے ہیں۔

"اسلام کی آسمانی کتاب قرآن ہے جو (حضرت) محمد (ﷺ) کے زمانہ نبوت کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اصول و قوانین مندرج ہیں بلکہ اخلاق کی تعلیم روزمرہ کے کاروبار کے متعلق ہدایات اور قانون بھی ہے۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے کہ اسلام کی مذہبی تعلیم اور قانون دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔"

قرآن نے یہودیوں' عیسائیوں اور زرتشتیوں کے مذاہب پر پوری پوری روشنی ڈالی ہے۔ جس طرح خدا نے یہودیوں کی تورات سے عیسائیوں کی انجیل سے رہنمائی کی۔ اسی طرح مسلمانوں کو قرآن سے صراط مستقیم دکھائی۔

موصوف اس تقریر میں آگے بیان کرتے ہیں۔

" پیروان اسلام کا حسن اخلاق قابل تعریف ہے۔ ان کا طرز عمل خدا کے احکام کے تابع ہے تسلیم و رضا یعنی اپنے تمام امور خدا کے سپرد کردینا مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی ایک لازمی شرط ہے جو مذہب رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی ایسی عمدہ تعلیم دے اس کے پیرو یقیناً صداقت دوست اور انصاف پسند نیز عہد کے پکے ہوں گے۔ یہ قرآن سے ثابت ہو سکتا ہے اگر ہم اس کے برخلاف ثابت کرنا چاہیں تو ہماری اپنی عقل ہی انکار کردے گی۔"

اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد (ﷺ) کی تصنیف ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب توریت و انجیل وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ اگر الہامی دنیا میں الہام کوئی شے ہے اور الہام کا وجود مکمل ہے تو قرآن شریف ضرور الہامی کتاب ہے۔"

(پیام امن ص ۳۵)

قرآن ایک ناقابل تشریح طلسم ہے

ای ڈبلیو بلائڈن ایل ایل ڈی جو خود ایک عیسائی حبشی ہے اپنی تالیف میں یوں رقمطراز ہے۔

"جہاں خیالات ان حبشیوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ وہاں قرآن مجید کے الفاظ بھی ان کے لئے ایک ایسی ناقابل بیان خوبصورتی اور موسیقی اور ایک ایسا ناقابل تشریح طلسم بن جاتے ہیں جو محض السنہ مغربیہ کے جاننے والوں کے لئے

قطعاً" ناقابل فہم ہے۔

(عیسائیت اسلام اور حبشی نسل)

قرآن فرحت آمیز تحیر میں ڈالنے والی کتاب ہے

مشہور جرمن فاضل گوئٹے لکھتا ہے۔

جس قدر ہم اس کتاب کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر غور کرتے ہیں وہ اسی قدر دور ہٹتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے فرحت آمیز تحیر میں ڈالتی ہے اور آخر کار اپنا احترام کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔

قرآن کا قانون بائیبل سے زیادہ موثر ہے

مشہور مسیحی پادری ڈین سٹینلی لکھتا ہے۔

قرآن کا قانون بلاشبہ بائیبل کے قانون سے زیادہ موثر ثابت ہوا ہے۔

قرآن ایک مصلح اور بنا کن قوت ہے

ڈاکٹر جانسن جس فضل و کمال کا انسان تھا وہ کسی تعلیم یافتہ شخص سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کے متعلق اس کی رائے ہے کہ۔

"اگر وہ (قرآن) شعر نہیں ہے اور یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ شعر ہے یا نہیں تو وہ شعر سے بھی کچھ زیادہ ہے' نہ وہ تاریخ ہے اور نہ وہ سوانح عمری ہے۔ وہ پہاڑی وعظ (انجیل کا ایک حصہ) کی طرح مجموعہ اشعار بھی نہیں ہے۔ نہ وہ بدھ کی کتاب کی مانند منطقیات مابعد الطبیعات ہیں نہ افلاطون کی مجلس عقلاء حکماء کی شکل پند و مواعظت ہے۔ وہ ایک پیغمبر کی آواز ہے جو کہ اول سے آخر تک سامی ہے تاہم اس کے مطالب ایسے عام اور ایسے مناسب وقت میں کہ زمانہ کی تمام آوازیں طوعاً" و کرہا" ان کی متحمل ہو جاتی ہیں۔ اس کی آواز بازگشت محلوں اور ریگستانوں ہر شہروں اور سلطنتوں پر یکساں گونجتی ہے جو اول تو اپنے انتخاب کردہ قلوب کو فتح عالم پر آمادہ و مستعد کرتی ہے اور اس کے بعد اپنے کو ایک مصلح اور بنا کن قوت کی شکل میں یوں مجتمع کرتی ہے کہ یونان اور ایشیا کی ساری موجودہ روشنی عیسائی یورپ کی گرانبار تاریکی میں اس وقت سے نفوذ کرتی ہے۔ جبکہ عیسائیت محض شب ہائے تاریک کی مالک تھی۔

قرآن بے تعصبی و رواداری سکھاتا ہے

مسز سروجنی نائیڈو نے ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء میں مسجد ووکنگ میں جماعت مسلمین کے روبرو تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"محمد (ﷺ) کو جس مذہب کی تبلیغ کے لئے مبعوث کیا گیا تھا۔ بے تعصبی اس کا ایک اور عجیب و غریب پہلو تھا۔ محمد (ﷺ) کے اہل وطن نے سسلی پر حکومت کی اور مسیحی اسپین پر سات صدیوں سے زائد عرصہ تک کوس لمن الملک الیوم بجایا۔ لیکن انہوں نے کسی حالت میں رعایا کے حق عبادت و پرستش میں دست اندازی نہیں کی۔ وہ عیسائیت کا احترام صرف اس لئے کرتے تھے کہ قرآن کریم انہیں غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ کرنا سکھاتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کم و بیش ایثار علی النفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر اسلام اس بارے میں سب سے آگے ہے۔ بنی نوع انسان کی خدمت تعلیم اسلام کا سرمایہ ناز ہے۔ اس لئے اسلام نے عالمگیر اخوت کا اصول دنیا کے روبرو پیش کیا ہے۔ دنیا اسی اصول کی پیروی کرنے سے ہی خوشحال ہو سکتی ہے۔

(اسلامک ریویو جنوری ۱۹۲۰ء)

قرآن کو سن کر انسان بے اختیار سجدہ میں گر پڑتا ہے

جان جاک ریسک مشہور جرمن فلاسفر جس نے مقامات حریری تاریخ ابوالفدا اور معلقہ طرفہ وغیرہ عربی تصنیفات کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور ان پر حواشی لکھے ہیں' لکھتا ہے۔

بعض لوگ تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں اگر انہیں اپنی خوش نصیبی سے کبھی یہ موقع حاصل ہو کہ آنحضرت (ﷺ) اپنی فصیح زبان اور موثر لہجہ میں قرآن کی کوئی سورۃ پڑھ رہے ہیں جس کا دلوں پر بجلی کا اثر ہوتا ہے۔ اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا ہے کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی نہیں حاصل کر سکیں گے۔ تو اپنی معجز نما قوت بیان سے اس کی توضیح فرما دیتے ہیں تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتا اور سب سے پہلی آواز اس کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی! پیارے رسول خدا علیک الصلوۃ والسلام۔ میرا ہاتھ پکڑ لیجئے اور مجھے اپنے پیروؤں میں شامل کرنے کی عزت اور افتخار سے مشرف کرنے میں دریغ نہ فرمایئے۔

قرآن میں شریفانہ احساسات کی تعلیم دی گئی ہے

پاور اینڈ پریکٹس جو انگریزی کی ایک نہایت مشہور کتاب ہے میں مذکور ہے قرآن کی عزت اور اس کے ارکان اساسیہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں سچے اور شریفانہ احساسات اور کریمانہ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔

قرآن سے زیادہ کسی کتاب کا احترام نہیں کیا جاتا

چیمبرز انفرمیشن فار دی پیپل کے صفحہ ۲۲۱ میں مذکور ہے کہ قرآن کی زبان انتہا درجہ کی خوبصورت اور خالص ہے کسی اور کتاب کا اتنا احترام نہیں کیا جاتا جتنا کہ مسلمان قرآن کا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کو بغیر طہارت کے ہاتھ بھی نہیں لگایا جاتا۔ ہر ایک مشکل میں اس سے فیصلہ چاہا جاتا ہے اور اس کو حکم بنایا جاتا ہے اور ہر ایک مقام پر اس کی آیات نمایاں کی جاتی ہیں۔

قرآن ایک قانون فطرت ہے

سر ولیم میور۔ موصوف نے عمر بھر میں اپنی ساری قوت حمایت مثلیث اور مخالفت اسلام میں صرف کر دی تھی اور اگرچہ تعصب نے اسے پیغمبر اسلام (ﷺ) کی رسالت اور قرآن کریم کے اعجاز کا اعتراف نہیں کرنے دیا لیکن صداقت دیکھئے کہ انجام کار اس کی خوبیوں کا کم و بیش اقرار طوعاً" و کرہا" اسے بھی کرنا پڑا۔ وہ لکھتا ہے۔

"قرآن میں فطرت اور کائنات سے بہت سے دلائل اخذ کئے گئے ہیں' جن سے مقصود خدا کو اعلیٰ ترین ہستی ثابت کرنا اور بنی نوع انسان کو اس کی اطاعت و شکر گزاری پر متوجہ کرنا ہے۔ اس میں عالم آخرت و حسنات و سیئات کا اجر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی ضرورت مخلوق پر عبادت خالق کی فرضیت اور اس کے خوشگوار نتائج وغیرہ نہایت فصیح و موثر زبان میں مسطور ہیں۔

اسی طرح قیامت کے اعتقاد کی معقولیت بڑے پر زور دلائل سے ثابت کی گئی ہے۔ اور بالخصوص اس کی مثال میں اس زمین کی نظیر پیش کی ہے جو مدت مدید سے ویران اور خشک پڑی ہو۔ مگر یک بیک کثرت سے بارش برسے اور اس میں زندگی و سرسبزی کے نہایت خوشگوار آثار پیدا ہو جائیں۔"

(لائف آف دی محمد (ﷺ))

قرآن معبد باطل کی طرف سے پھیر کر خدائے واحد کی طرف لاتا ہے

تھوڈور نولڈیکی اپنی مشہور تالیف "بیشنش ویس قرآنس" کے ص ۵۶ پر لکھتا ہے۔

"سورۃ مکیہ میں محمد (ﷺ) کا مقصد اولیٰ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو ترغیب و تحریک کے ذریعہ معبودان باطل سے پھیر کر ایک خدا کی طرف لایا جائے۔ گفتگو کا مطمع نظر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی تہہ میں حقیقتاً" یہی خیال مخفی ہوتا ہے لیکن اپنے سامعین کو منطقی دلائل سے قائل کرنے کے بجائے انکے دلوں پر قوت تخیل کے واسطے سے اثر ڈالنے کے لئے ہمیشہ فصاحت و بلاغت کا استعمال کرتا ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر وہ خدا کے تقدیس کرتا جلوے قدرت اور دنیائے تاریک میں اس کی مرصع کاریوں کے تذکار سے کام لیتا اور دوسری طرف اصنام کی کمزوری کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ دینداروں کی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی مسرتوں

اور گنہگاروں کی تکلیفوں کے حالات خصوصیت سے اہم ہیں۔ یہی باتیں بالخصوص موخر الذکر ہی تبلیغ اسلام کے زبردست ترین اسباب سمجھے چاہئیں۔

آگے چل کر ص ۷۱ میں لکھتا ہے۔

قرآن کی سب سے شاندار سورتیں وہ ہیں جن میں روز حشر کی آمد کی خبر سن کر مادر قدرت کا لرزہ بر اندام ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم زمین کو ابھرتے اور پھولتے ہوئے پہاڑوں کو گرد و غبار میں تبدیل ہوتے اور ستاروں کو انتہا درجہ کی بے ترتیبی کے ساتھ منتشر و پراگندہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

قرآن کے حسن و خوبی سے صرف بے عقلوں کو ہی انکار ہے

لنڈن کا مشہور ہفتہ وار اخبار نیر ایسٹ اپنی ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ ہم محمد (ﷺ) کے تعلیم و ارشاد کے متعلق خواہ کچھ ہی خیال کریں۔ مگر یہ ہمیں ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نزول و ترتیب کے لحاظ سے قرآن (کریم) ایک محیر العقول و معجز نما صحیفہ ہے اور اگرچہ اس کی زبان اور خیالات جو اس میں درج ہیں ہماری اپنی زبان اور خیالات سے بہت مختلف ہیں لیکن اگر ہم ان کی قدر و قیمت اور عظمت و فضیلت اور اکثر حالات میں ان کی حسن و خوبی (خواہ یہ خیالات ترجمے کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کئے جائیں) کو تسلیم نہ کریں۔ تو ہم فی الحقیقت عقل و دانش سے بیگانہ ہیں۔

قرآن امن و سلامتی کا مذہب پیش کرتا ہے

پادری والرمین ڈی ڈی نے پٹس برگ کے گرجا میں "امن عالم کا صحیح راستہ" کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے عیسائیت کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے ممالک میں بھی امن قائم کرنے سے قاصر ہے جن میں صرف عیسائی ہی آباد ہیں اور اسلام کی ان الفاظ میں تعریف کی۔ ان (مسلمانوں) کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے۔ ایک امن و سلامتی کا مذہب ہے اور اس کا نام اسلام ہے۔ جو شخص اسلام کی پیروی کرتا ہے وہ مسلم کہلاتا ہے۔ یعنی وہ شخص جو خدا کے ساتھ صلح کرتا اور خلق خدا میں امن قائم رکھتا ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کو سلام کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ السلام علیکم یعنی تم امن و عافیت سے رہو۔

(اسلامک ریویو دسمبر ۱۹۲۱ء)

قرآن اپنا ادب آپ کراتا ہے

ڈاکٹر جے ڈبلیو لا ئٹر سابق پنجاب یونیورسٹی جو عربی کے ماہر تھے اور جنہوں نے قرآن کریم کے کئی حصے حفظ کئے تھے۔ اپنے ایک خط میں رقمطراز ہیں۔

"وہ عیسائی جو درحقیقت علم عربی پڑھے ہوئے ہیں قرآن کے معانی اور تفسیر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور مسائل مفتی و غیر مفتی بہ میں تمیز کر سکتے ہیں (بشرطیکہ منصف مزاج اور غیر متعصب ہوں) اور ہمیشہ مذہب اسلام کا ادب کرتے رہے ہیں۔

قرآن غریب آدمی کا دوست اور غم خوار ہے

گاڈ فری ہیگنس لکھتا ہے۔

"مسیح کی انجیل کی طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غم خوار ہے۔ بڑے آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔ وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا۔ یہ امر اس کے مصنف کی (بقول مستشرق موصوف) (خواہ وہ عرب کے نامی پیغمبر محمدؐ ہوں یا ان کے خلیفہ عثمانؓ) لازوال نیک نامی کا باعث ہے اس میں ایسا ایک بھی حکم نہیں پایا جاتا۔ جس میں پولیٹیکل خوشامد و رواداری کی طرف ذرا سا بھی تمل ہو۔ جیسا کہ ویسٹ منسٹر ریویو میں منصفانہ رائے دی گئی ہے کہ اگر خود مختار و جابر ایشیائی فرمانرواؤں کو ان کے ارادہ سے کوئی چیز بھی روک سکتی ہے تو وہ غالباً قرآن کی ایک بے تکلف آیت کسی ذی جرات واعظ کی زبانی ہوگی۔"

قرآن نے ایک مخصوص نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا

مسٹر ای ڈی مارل نے ۱۹۱۱ء میں رائل سوسائٹی آف آرٹس میں ایک لیکچر شمالی نائیجیریا پر دیا تھا اس میں مسٹر موصوف نے کہا۔

"اس قوت و طاقت سے اغماض کرنا بے سود ہے جس نے بحیثیت مجموعی ان قوموں کے معیار کو بہت اعلیٰ و ارفع بنا دیا ہے جن میں کہ اسلام جڑ پکڑ کر نشوونما پا رہا ہے۔ وہ افریقہ کے حبشیوں کے دلوں میں تہذیب و شائستگی کی روح پھونکنے، سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت کے قائم کرنے میں بڑا معاون ثابت ہوا ہے۔ اس نے ان میں ایک ایسا نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا ہے جو ان اقطاع میں مفقود ہے جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی۔ لوگوں کے فوائد و اغراض کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس کو قائم رکھ کر اس کے مضبوط و طاقتور بنانے کی کوشش کرے۔ اسلام کی قوت اور طاقت کی بنا قرآن ہے۔ قرآن ہی پیروان ملت بیضا کا قانون اساسی ہے۔ وہی ان کا دستور العمل ہے اور وہی ان کے حقوق کی دستاویز ہے۔"

قرآن کے کلام پر عقل حیرت زدہ ہے

کونٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "الاسلام" میں جو کونٹ موصوف نے فرنچ میں لکھی اور جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا لکھتے ہیں۔

"قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کر سکے عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً" و "معناً" ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا اور وہ خدا کے معترف ہو گئے یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اس سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ ((علیہ السلام) کا کلام نکلا تھا۔

"محمد (ﷺ) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایک ایسا مبہم باشان راز چلا آتا ہے کہ جس کے طلسم کا توڑنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔

قرآن قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے

"ہربرٹ لیکچرز" میں یہ فقرات موجود ہیں۔

"اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اسے ان اصول کی تعمیل و انجام دہی کی زبردست حمایت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

"شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے جن فضائل و اعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے۔ وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی قسیس کی ہدایتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

قرآن کا مقصد توحید الٰہی ہے

ڈاکٹر جارج اپنی مشہور تصنیف ((ورلڈز پرافرس) میں رقمطراز ہیں۔

"قرآن کا مقصد عظیم بعض قوانین و رسوم کے ماتحت بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں کو ایک خدا کی ((جس کی وحدانیت اسی کا نقطہ کمال تھا) پرستش پر مائل و متفق کرنا وہ قریش کی عربی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اور یہ زبان جو تج ہر ایک وصف حسنہ رکھتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جنت الفردوس کی زبان ہے۔ قرآن کریم کا طرز تحریر دل آویز رواں قل و دل اور جہاں کہیں خدا کے جاہ و جلال اور اوصاف کا ذکر آیا ہے۔ شاندار اور بلند ہے (محمد ﷺ) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل تھے۔

(ورلڈز پرافرس ص ۳۸۷)

قرآن ایک بین معجزہ ہے

اکس لوازون مشہور فرانسیسی فلاسفر اپنے ایک لیکچر میں فرماتے ہیں۔

باقی ص ۳۶ پر

(بقیہ اداریہ)

بہاولپور منشیات کے مجرم کو طلب کرنے کا حق رکھتا ہے تو مسلمان اپنے رسول ﷺ کے توہین کے مجرم کو طلب کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ جرمن حکومت سے ان مجرمین کو طلب کر کے مقدمہ چلا کر ان کو قرار واقعی سزا دینا ہر مسلمان کی ذمہ داری اور حکومت کا فریضہ ہے اس سے غفلت حکومت کو مہنگی پڑیگی۔ اور یہ انتہا پسندی نہیں بلکہ قانون کی حکمرانی ہے۔ ہر عیسائی۔ یہودی اور پاکستانی کو پاکستان میں رہنے کا مکمل حق ہے۔ ان کے حقوق کی ضمانت ہے۔ مسلمان ہمیشہ ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہیں قائم ہیں کوئی بھی ذی شعور شخص اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کوئی شخص دوسرے کے پیغمبر کے بارے میں توہین آمیز رویہ اختیار کرے۔ اگر کوئی مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کے جرم کا ارتکاب کرے گا وہ مجرم ہے ہر مسلمان ایسے مسلمان کو پھانسی دینے کا مطالبہ کرے گا اسی طرح عیسائی۔ یہودی پاکستانی ہو کر نبی اکرم ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ مجرم ہے اور مجرم کو جرم کی سزا ملنی چاہئے۔ وزیر اعظم اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں۔ اسلامی حکومت کی وزیر اعظم ہیں۔ اپنے آپ کو اسلام کا نمائندہ گردانتی ہیں ان دعوؤں کا ثبوت اس وقت فراہم ہو گا جب وہ حضور ﷺ کے ان مجرمین کو سزا دلوائیں۔ مسلمانوں کے حقوق کا خیال کریں اور خود بھی اسلامی تعلیمات پر عمل کریں اور پاکستان میں اسلامی ثقافت اسلامی تمدن اور اسلامی تعلیمات کی حفاظت کریں۔ مغربی ممالک کے مقابلہ میں مسلمانوں کو خوش کرنے کی پالیسی اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ پاکستانی مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

صاحبزادہ حافظ سید مقصود میاں کی وفات

صاحبزادہ نجیب احمد خانقاہ سراجیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہ کے سب سے چھوٹے جواں سال صاحبزادے حافظ قاری سید مقصود میاں جو زندگی کی انیسویں بہار گذار رہے تھے ۲۸ر رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۵ھ یکم مارچ سنہ ۱۹۹۵ء بروز بدھ قضاء الٰہی سے انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نے مارچ سنہ ۱۹۷۶ء کو جامعہ مدنیہ کے متصل حضرت اقدس مولانا سید حامد میاںؒ کے چھوٹے سے گھر میں آنکھ کھولی' قرآن پاک جامعہ مدنیہ ہی میں حفظ کیا۔ درجہ کتب میں درجہ ثانیہ خاصہ میں زیر تعلیم تھے۔ والدہ محترمہ کے اصرار پر پہلی مرتبہ رمضان المبارک میں جامعہ مدنیہ کی مدینہ مسجد میں قرآن پاک سنا رہے تھے۔ خدا نے لحن داؤدی سے نوازا تھا ان کے پیچھے تراویح پڑھنے والا ہر شخص ان کی تلاوت کی لذت سے سرشار تھا۔ بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ دل چاہتا ہے کہ مقصود میاں پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں قرآن مجید کا اکثر حصہ ختم ہو چکا تھا۔ مرحوم کی والدہ پہلی مرتبہ ختم قرآن کی خوشی میں ایک پر وقار تقریب کے انعقاد کا پروگرام بنا رہی تھیں کہ اچانک وہ حادثہ پیش آگیا جس کے تصور سے بھی کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ ہوا یہ کہ مقصود میاں رمضان المبارک کی ستائیسویں شب تراویح پڑھا رہے تھے پانچویں رکعت میں سورہ رحمٰن کی آیات کریمہ فیھن خیرات حسان فبای آلاء ربکما تکذبان ترجمہ "ان سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوب صورت' پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے" زیر تلاوت تھیں اچانک ایسا ہوا کہ آپ کھڑے کھڑے زمین پر آرہے۔ ایسے لگا جیسے کسی نے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا ہو آپ فوراً ہی بے ہوش ہو گئے۔ مقتدیوں میں ڈاکٹر بھی تھے ان کے مشورے سے ہسپتال لے جایا گیا۔ طبی امداد بہم پہنچائی گئی۔ لیکن آپ ہوش میں نہ آئے سینئر ڈاکٹروں نے بتلایا کہ آپ کو برین ہیمرج ہوا ہے۔ تقریباً چھ دن آپ ہسپتال میں اسی حالت میں رہے۔ ان دنوں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو پرنم نہ ہو۔ کوئی دل ایسا نہ تھا۔ جو بے قرار نہ ہو کوئی لب ایسے نہ تھے جو آپ کی صحت یابی کی دعا کے لئے بارگاہ خداوندی میں متحرک نہ ہوں۔

آخر قضاء و قدر کا فیصلہ غالب آیا بروز بدھ ۲۸ر رمضان المبارک صبح سوا سات بجے آپ نے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے بعد آپ کے چہرہ پر بشاشت' اطمینان و سکون کی عجیب کیفیت طاری تھی یوں لگتا تھا جیسے راہ وفا کا مسافر تھک کر سو گیا ہو۔ ڈاکٹر حضرات اس امر پر حیرانگی کا اظہار کر رہے تھے کہ ایسے امراض کے جسم سے اتنی بدبو چھوٹتی ہے کہ پاس کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن مقصود میاں کے جسم سے اول سے آخر تک کسی قسم کی بدبو محسوس نہیں کی گئی۔ بلکہ بعض احباب نے واپسی پر ایمبولینس میں عجیب قسم کی مہک محسوس کی۔

دوپہر تین بجے آپ کا جنازہ اٹھا اور ہزاروں سوگواروں نے نماز عصر کے بعد عید گاہ بہاولپور روڈ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ جو حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب نے پڑھائی۔ بعد ازاں مقصود میاں کو آپ کے والد ماجد حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم' حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ' مولانا عبد الرحیم اشعر' مولانا عزیز الرحمان صاحب جالندھری' مولانا اللہ وسایا صاحب' مولانا خدا بخش' مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی' مولانا محمد اکرم طوفانی' حافظ احمد عثمان شاہد' رانا محمد طفیل جاوید' جمال عبد الناصر' صوفی احمد نواز' سردار محمد نذر خان اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنان نے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی۔ حضرت مولانا سید رشید میاں' مولانا محمود میاں اور جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے تمام ذمہ داروں سے اظہار ہمدردی کی۔ انہوں نے کہا کہ مولا کریم پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

روزانہ ایک سیب کھائیے
کبھی معالج کے پاس نہ جائیے!
داناؤں کا یہ مشورہ درست بشرطیکہ آپ کا معدہ بھی درست ہو اور سیب کو جزوِ بدن بنا سکے
ہاضمہ خراب ہو تو اچھی سے اچھی غذا بھی نظامِ ہضم پر بار بن جاتی ہے اور آپ قدرت کی عطا کردہ بہت سی نعمتوں سے صحیح طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔
اپنی صحت اور تندرستی کی خاطر کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیجیے۔ سادہ اور زود ہضم غذا کھائیے۔
پُرخوری سے بچیے۔ مرچ مسالے دار پکوانوں سے پرہیز کیجیے کیونکہ یہ معدے اور آنتوں کے افعال پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔
اگر کسی وقت کھانے پینے میں بے احتیاطی ہو جائے تو نظامِ ہضم کی شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، دردِ شکم اور کھانے سے بے رغبتی سے محفوظ رہنے کے لیے نئی کارمینا لیجیے۔ نئی کارمینا معدہ اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست رکھتی ہے۔
پلاسٹک کی گول شیشی میں دستیاب ہے
نئی کارمینا
NEO CARMINA 150 Tablets
Hamdard Laboratories
نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے پُرتاثیر ہاضم ٹکیاں
خوش ذائقہ نئی کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے
ہمدرد
Adarts-CAR-1/92

محمد طاہر رزاق۔ شیخوپورہ

روشن چراغ

مولانا محمد علی مونگیری کی قادیانیت کے خلاف علمی و عملی جدوجہد

اس مناظرہ کے بعد مولانا نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ اور منظم طریقہ پر زبردست مہم شروع کی۔ اس کے لئے دورے کئے' خطوط لکھے' رسائل اور کتابیں تصنیف کیں' دہلی اور کانپور سے کتابیں طبع کروا کر مونگیر لانے اور اشاعت کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا تھا اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں ذرا بھی سستی اور تاخیر نہ ہو۔ اس لئے مولانا نے خانقاہ میں ایک مستقل پریس قائم کیا۔ اس پریس سے (اور کتابوں کے علاوہ) سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوئیں جو سب مولانا کے قلم سے ہیں۔

(("سیرت مولانا محمد علی مونگیری" ص۲۹۹' از سید محمد الحسنی)

جو ختم نبوت کا طرفدار نہیں
لاریب وہ جنت کا سزاوار نہیں

آٹوگراف

ایک دفعہ ایک طالب علم نے ان سے زمانہ جدید کی رسم پوری کرنے کے لئے آٹوگراف دینے کی درخواست کی۔ آپ نے بلاتکلف کاغذ پر نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارک لکھ دی۔

لا نبی بعدی ((میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا) اور نیچے دستخط کر دیئے۔

"(حضرت مولانا محمد علی جالندھری" ص۱۳۲' پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری)

مولانا لال حسین اختر کا مرزائیت سے تائب ہونے کا واقعہ

مولانا لال حسین اختر تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجلس میں ان کی گفتگو کے دوران ان کے ایک مناظرے کا ذکر آیا جو انہوں نے مرزائی ہونے کی حالت میں رائے پور میں مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں والوں کے ساتھ کیا تھا۔ مولانا محمد صاحب انوری نے کہا کہ حضرت! اس مناظرہ کے دوران مولانا فضل احمد صاحب لال حسین اختر کی صورت کو دیکھ کر کہتے تھے کہ مجھے اس پر بڑا ترس آتا ہے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس کا دل پھیر دے اور اس کو مسلمان کر دے۔

مولانا لال حسین اختر نے کہا کہ میں ۱۹۲۳ء میں مرزائی ہوا اور ۱۹۳۱ء میں توبہ کی اور مسلمان ہوا۔ آٹھ سال مرزائیت میں گزرے۔ تین سال تک مرزائیوں نے ہمیں تعلیم دلائی۔ ایک میں تھا اور ایک مولوی مظفر علی۔ ہم دونوں کی تعلیم پر پچاس ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ دو استاد ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر عبرانی زبان پڑھانے والے تھے۔ ان سے توریت' انجیل' زبور پڑھی۔ دو استاد سنسکرت پڑھانے والے تھے۔ ان سے وید اور ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابیں پڑھیں۔ آریہ سے مناظرہ کے لئے اور دو استاد حدیث پڑھانے والے تھے۔ ایک استاد تفسیر پڑھانے والا تھا۔ پہلے تیس طالب علم رکھے گئے تھے۔ سنسکرت زبان کی مشکل گردانیں دیکھ کر سب چھوڑ گئے۔ ایک میں اور مظفر علی رہ گئے۔ اس طرح ہم نے تین سال میں تعلیم مکمل کی۔ آٹھ سال تک مرزائیوں کی طرف سے مناظرے کئے۔ میں لاہوری پارٹی میں شامل تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا تم نے مرزائیت سے توبہ کیوں کی۔ کہنے لگے مجھے محض اللہ کے فضل و کرم سے خوابیں آنا شروع ہوئیں۔ ایک ایک رات میں دو دو تین خواب آتے اور بہت برے برے خواب آتے۔ میں آیت الکرسی' معوذتین لاحول وغیرہ پڑھ کر سوتا لیکن پھر پہلے سے زیادہ برے اور ڈراؤنے خواب آتے۔ میں سمجھتا شیطانی خواب ہیں۔ کبھی کہتا چونکہ مسلمانوں کے ساتھ مناظرے رہتے ہیں وہی خیالات خواب میں آتے ہیں لیکن جب یہ سلسلہ لگاتار شروع ہوا تو میں سوچنے لگا آخر کیا وجہ ہے۔ اس زمانے کے دو خواب اچھی طرح یاد ہیں جن کو میں اکثر بیان کرتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک خواب آیا کہ ایک صاف چٹیل میدان ہے اور زمین شور یعنی کلر والی ہے۔ وہاں ایک کمرہ ہے اور بہت لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا تم یہاں کیوں جمع ہوئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہاں مرزا غلام احمد صاحب کو دیکھنے آئے ہیں۔ میں نے کہا پھر تم اندر کیوں نہیں جاتے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اجازت نہیں ہے۔ میں نے کہا مجھے اجازت ہے میں جاتا ہوں۔ چنانچہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ ایک لمبا چوڑا پلنگ ہے' جو سارے کمرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس پر مرزا صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اوپر ایک سفید چادر لیٹی ہوئی ہے۔ میں جا کر پلنگ کے پاس ادب سے کھڑا ہو گیا۔ مرزا صاحب نے منہ سے کپڑا ہٹا دیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا منہ تین بالشت لمبا ہے اور شکل خنزیر کی ہے۔ ایک آنکھ کانی ہے' دوسری چھوٹی ہے۔ مجھے کہنے لگے میں تو برے حال میں ہوں' تم یہاں کیوں آئے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

اور ایک خواب یوں دیکھا کہ ایک شخص میرے آگے آگے جا رہا ہے۔ اس کی کمر میں ایک تانت ہے' جیسے دھنیے کی ہوتی ہے۔ ادھر اس کی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی اور پیچھے میری گردن کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور دونوں آگے پیچھے چل رہے ہیں۔ سامنے سے ایک سفید ریش اور سفید لباس میں ملبوس ایک شخص نمودار ہوئے۔ مجھے کہنے لگے تم کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا اس شخص کے پیچھے پیچھے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا یہ تو غلام احمد قادیانی ہے اور یہ دوزخ میں جا رہا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں جاتے ہو۔ میں نے کہا کیا کوئی شخص از خود بھی دوزخ میں جاتا ہے اور دوسرے کو بھی لے جاتا ہے۔ اس نے کہا اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو آگے کو دیکھو۔ میں نے دیکھا تو دور سے سارے آسمان کے کنارے سرخ نظر آئے۔ اس نے کہا یہ جہنم کی شعائیں ہیں اور یہ تمہیں وہیں لے جا رہا ہے۔ میں نے کہا یہ مجھ سے دور ہے' جب یہ جہنم میں گرے گا تو میں بھاگ جاؤں گا۔ آخر اس شخص نے خواب ہی میں چاقو یا چھری سے زور سے تانت پر مارا اور وہ کٹ گئی۔ اس کے کٹنے سے میری گردن کو جھٹکا لگا۔ جس سے میری آنکھ کھل گئی۔ اس قسم کے خوابوں کے بعد دل سے فیصلہ طلب کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ خوابیں کسی سے بیان بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اگر مرزائیوں کے سامنے بیان کرتا تو وہ کہتے یہ شیطانی خواب ہیں۔ مسلمانوں سے اس لئے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان سے میرے مناظرے ہوا کرتے تھے۔ میں بڑی سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ آخر میں نے ان لوگوں سے چھ ماہ کی رخصت لی اور دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ مجھے خالی الذہن ہو کر قادیانی مذہب اور اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ حق کس طرف ہے۔ چنانچہ میں نے مرزا غلام احمد کی تمام کتابیں جمع کیں اور مسلمان علماء کی تفسیروں اور احادیث نبوی ؐ کا بالکل خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مجھے واضح ہو گیا کہ مرزا غلام احمد یقیناً جھوٹا ہے۔ مجھے اس کی کتابوں میں متعدد مقامات پر کذب و افترا نظر آیا اور اس نے جو تفسیر کی ہے اس کی غلطیاں سامنے آئیں اور اس کے مکر و فریب کا انکشاف ہوا۔ آخر میں نے مرزائیت سے توبہ کی اور مرزائیوں کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ مجھے محمد علی قادیانی لاہوری نے کہا کہ تم کام کرتے رہو' میں نے اسے کہا اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو نوے کروڑ مسلمان (جو مرزا کو نہیں مانتے) کافر ٹھہرتے ہیں اور اگر جھوٹے ہیں تو ان کو ماننے والے کافر ہیں۔ میں نے کہا تم ایسے شخص کو ملازم رکھ سکتے ہو جو مرزا صاحب کو نبی تو کیا مسلمان بھی نہ مانتا ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر میرا استعفیٰ منظور کر لو۔ میں اس کو کافر سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اس نے میرا استعفیٰ منظور کر لیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ سب مولانا فضل احمد صاحب کی دعا کی برکت ہے۔ پھر فرمایا ہمارے مولانا بھی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ مولوی لال حسین صاحب نے کہا حضرت مجھے تو اس وقت معلوم بھی نہیں تھا کہ مولانا فضل احمد صاحب نے میرے حق میں دعا کی ہے۔

"(حیات طیبہ" ص۳۲۲ تا ۳۲۴' از ڈاکٹر محمد حسین انصاری)

علم انورشاہؒ کی کاٹ

مولانا محمد صاحب نے مزید فرمایا کہ مقدمہ بہاولپور میں شمس مرزائی نے علماء پر یہ اعتراض کیا تھا کہ دیوبندی بریلویوں کو بریلوی دیوبندی کو کافر کہتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے جواب دیا کہ جج صاحب لکھئے میں تمام علماء دیوبند کی طرف سے اور جو حضرات یہاں موجود ہیں' مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور' مولانا اسعد اللہ صاحب مدرس مظاہر العلوم سہارنپور' مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ کی طرف اشارہ کرکے کہا میں سب کی طرف سے وکیل ہو کر کہتا ہوں کہ ہم بریلویوں کی تکفیر نہیں کرتے اور فرمایا کہ بریلوی مولوی جو علم غیب کے بارے میں تاویلات کرتے ہیں' کچھ نصوص ایسی ہیں جو ان معانی کی موہم ہیں۔ نیز ان معنی کی طرف سلف صالحین میں سے بھی بعض حضرات گئے ہیں۔

لیکن مرزائی جو تاویل کرتے ہیں اس معنی کی موئید کوئی نص نہیں ملتی اور نہ سلف میں سے اس معنی کی طرف کوئی گیا ہے۔ اس کے بعد شمس مرزائی نے ایک اور اعتراض کیا کہ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کے کفر پر فتویٰ نہ دیا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا جج صاحب نوٹ کریں یہ دھوکہ دے رہے ہیں۔ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا تقویٰ طہارت اور اس کی صالحیت معلوم ہو اور مسلّم ہو اور وہ مرجائے اور اس کے کلام میں کوئی ایسا کلام ہو جس میں ننانوے احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس پر کفر کا فتویٰ دینے میں احتیاط کی جائے لیکن اگر کسی شخص کا فاجر و فاسق ہونا معلوم ہو اس کے عقائد کفریہ سینکڑوں جگہ تصریح کے ساتھ موجود ہوں تو وہاں اس کا وہی معنی لیا جائے گا' جو اس کی دوسری کلام تشریح کر رہی ہے۔ پھر شمس مرزائی نے یہ اعتراض کیا کہ بزرگان اسلام کی شطحیات میں ایسے کلمات موجود ہیں جو بظاہر کفر ہیں لیکن ان کی تاویل کی جاتی ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب کے بعض کلمات ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اس کا وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہے۔

"(حیات طیبہ" ص۳۳۹-۳۴۰'از ڈاکٹر محمد حسین انصاری)

برما رنگون میں مرزائیت کا احتساب

روزنامہ "پرواز" رنگون کی اطلاع کے مطابق سر این اے خان قادیانی کا رنگون میں انتقال ہوا۔ اس کی قبر مسلمانوں کے قبرستان میں کھودی گئی۔ مسلمانوں کی مسجد سے نہلانے کا تختہ دیا گیا۔ ایک مسلمان موذن نے اسے غسل دیا۔ جونہی مسلمانوں کو پتہ چلا قبر بند کردی گئی۔ غسل کا تختہ جلا کر خاکستر کردیا گیا۔ موذن کو مسجد سے فارغ کردیا گیا اور بعد میں توبہ کرنے پر اس کا دوبارہ نکاح پڑھا گیا۔ جنازہ میں شریک ہونے والے مسلمانوں کا تجدید ایمان و تجدید نکاح کیا گیا۔ یہ منظر قابل دید تھا۔ این اے خان قادیانی کے ساتھ ہی قادیانیت کا جنازہ بھی نکل گیا۔ اس سلسلہ میں جمعیت علماء برما کی خدمات قابل تحسین ہیں(تفصیلات از پرواز رنگون اشاعت۔ ۹'۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء)۔

"(تحریک ختم نبوت" ۷۴ء ص۲۶۸'از مولانا اللہ وسایا)

جن کو نہ ہو کچھ پاس پیغمبر کے ادب کا
چن چن کر اس قوم کو میں مٹی میں ملا دوں
اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت
میں اس کے لئے راہ میں آنکھیں بچھا دوں

منظور ہے اس کے غلاموں کی غلامی

قریباً بارہ سال کا عرصہ ہوا مولانا سید تجمل حسین شاہ صاحب کشمیری فاضل دیوبند حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ فراغت حج کے بعد منیٰ میں انہیں ایک بزرگ صورت ہستی کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے انہیں فرمایا "محمد علی جالندھری کو میرا پیغام پہنچادیا کہ وہ تحفظ ختم نبوت کا کام کر رہا ہے' اس کام کو نہ چھوڑے۔"

"(تحریک ختم نبوت" ۷۴ء ص۱۵۲'از مولانا اللہ وسایا)

ہوتا ہے الگ سر میرا تو شانوں سے ہوجائے
پر ہاتھ سے چھوٹے گا نہ دامان محمدؐ

ختم نبوت کی غم خواری

موجودہ حکومت کی خدمت میں گزارش ہے کہ ایک غلطی کا ازالہ قادیانی پمفلٹ ضبط کرکے پھر واگزار کرنے سے ملک میں اتنی بے چینی ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری ناظم اعلیٰ تحفظ ختم نبوت سے جب اس کا ذکر کیا گیا اور تفصیل بتائی گئی تو انہوں نے فرمایا خاموش رہو' ذکر نہ کرو مجھ کو یہ خبر سننے کا تحمل نہیں اور کئی روز تک اپنے سامنے ذکر کرنے نہ دیا اور فرمایا کہ موجودہ گورنر صاحب جیسے بہادر اور مستقل مزاج شخص سے امید نہ تھی کہ ایسے تکلیف دہ پمفلٹ کو ضبط کرکے واگزار کردیں گے۔ کئی دن تک اس خبر کے سننے سے طبیعت بے قابو ہوجاتی رہی۔

"(تحریک ختم نبوت" ۷۴ء ص۲۲۹'از مولانا اللہ وسایا)

ان کے ہونٹوں کے لئے کیا کوئی بھی تالا نہیں
کیا یہاں اسلام کا کوئی بھی رکھوالا نہیں

مولانا احمد علی لاہوری' ایمان پرور یادیں

حضرت شیخ التفسیر امام لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو گرفتار کرکے پہلے ملتان جیل بھیج دیا گیا۔ ملتان سے آپ کو انکوائری کمیشن مقرر ہونے پر لاہور سینٹرل جیل میں منتقل کیا گیا جس کے متعلق مولانا مجاہد الحسینی بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں مجھے چند دنوں کے بعد لاہور کے سیاست خانہ سے نکال کر "بم کیس وارڈ" میں منتقل کردیا گیا تھا۔ ایک روز اخبارات میں خبر پڑھی کہ ملتان سینٹرل جیل میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ' مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی حالت یکایک سخت خراب ہوگئی۔

تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لینے والے ان ممتاز راہنماؤں کو مسلسل قے اور اسہال کی تکلیف تھی۔ ڈاکٹر ان حضرات کی جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ چند روز بعد اطلاع ملی کہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو لاہور جیل میں منتقل کیا جارہا ہے۔ چنانچہ ایک روز اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل نے(جو حضرت لاہوری کے مرید تھے) مجھے یہ خوش خبری دی کہ حضرت شیخ التفسیر رحمتہ اللہ علیہ کو بغرض علاج لاہور سینٹرل جیل منتقل کیا جارہا ہے۔ میں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات سے درخواست کی کہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو ہمارے وارڈ "بم کیس احاطہ" میں رونق افروز کیا جائے۔

چنانچہ حسب پروگرام جب حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ سینٹرل جیل میں منتقل ہوئے تو "بم کیس وارڈ" کو آپ کی ذات سے شرف بخشا گیا۔ یہ وارڈ تاریخی نوعیت کا حامل تھا۔ بھگت سنگھ اور دت وغیرہ تحریک آزادی کے جن نوجوانوں نے اسمبلی میں بم پھینک کر انگریزوں کو نقصان پہنچایا تھا' یہ وارڈ ان کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اور "بم کیس" کے عنوان سے انہی کے نام موسوم ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی جب سینٹرل جیل میں تشریف لائے تو کڑکڑاتی گرمی کا سخت موسم تھا۔ گرمی کی شدت کے باعث پورا ماحول آتش فشاں تھا۔

بم کیس وارڈ حضرت کے معتقدین اور مریدوں کے لئے شوق و عقیدت کا مرکز بن گیا۔

نماز عصر کے بعد میں نے جیل کے ذمہ دار افسروں سے رابطہ قائم کرکے حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے لئے چارپائی کا انتظام کرنے کو کہا کیونکہ تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار ہونے والے تمام نظربندوں کے بستر تو زمین کے فرش پر ہی دراز کئے جاتے تھے۔ ان بستروں کے درمیان جب میں نے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی چارپائی بچھائی تو آپؒ نے اسے دیکھتے ہی دریافت کیا یہاں صرف ایک چارپائی کیوں بچھائی گئی ہے؟ میں نے عرض کیا یہ حضرت کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جاں نثاران محمد مصطفیٰ ﷺ تو فرش پر ہوں اور احمد علی ان کے درمیان چارپائی پر آرام کرے۔

آپ نے یہ چند جملے کچھ اس انداز میں فرمائے کہ حاضرین کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ تعمیل ارشاد میں آپ کا بستر خصوصی اہتمام کے ساتھ زمین پر ہی بچھادیا گیا اور پائنتی کی جانب اپنا بستر رکھا تو حضرت نے اسے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سرہانے کی جانب کردیا۔

نماز مغرب کے بعد راقم الحروف نے علیحدگی میں ملتان جیل میں یکایک صحت خراب ہونے کے اسباب معلوم کئے تو

حضرت لاہوریؒ نے فرمایا۔

ایک روز شام کے کھانے کے بعد سب کی حالت غیر ہوگئی۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے جیل کے حکام سے جب پر زور مطالبہ کیا کہ ہمارا طبی معائنہ ہونا چاہئے اور جیل کی خوراک بند کردینے کا فیصلہ کیا تو ان سب کو مختلف بارکوں میں تبدیل کردیا گیا اور مجھے یہاں سینٹرل جیل لاہور پہنچادیا گیا۔

جیل کے ارباب اختیار کے بقول اگر ہماری صحت کا بگاڑ غذائی سمیت (فوڈ پوائزن) کے باعث تھا تو طبی معائنہ کرانے کی کیا قباحت تھی؟ اور پھر چند روز کے بعد مختلف جیلوں کے دوسرے نظر بندوں نے بھی قے اور اسہال کی تکلیف کا شکوہ کیا۔

وسیع پیمانہ پر ایک ہی شکایت کا اظہار درحقیقت تحریک تحفظ ختم نبوت کے نظر بندوں خصوصاً ممتاز راہنماؤں کے خلاف کسی سازش کا غماز تھا۔ حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ملتان کی تکلیف کے بعد میرے اعصاب میں کھچاؤ پیدا ہوگیا ہے اور گھٹنے میں مسلسل درد نے اگرچہ سخت پریشان کر رکھا ہے لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے خطرناک صعوبتیں وجہ سکون قلب اور باعث راحت جاں ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے ہمارے انہی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثربؐ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ قریباً ایک ماہ بم کیس وارڈ میں رونق افروز رہے۔ بعد ازاں وزیر اعلیٰ پنجاب ملک فیروز خان نے خرابی صحت کی بنا پر حضرت کی رہائی کے احکام جاری کردیئے اور پھر زندگی بھر آپ کو صحت و تندرستی کی وہ پہلی حالت نصیب نہ ہوسکی۔ اسی طرح قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی مسلسل بیمار رہ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

"(تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۱۵۱ تا ۱۵۲)

حضرت لاہوری کی کرامت

حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ شجاع آبادی فرماتے ہیں ۲۲ سال ہوئے میرا بایاں بازو ٹوٹ گیا تھا۔ جوڑنے کے بعد وہ تقریباً سیدھا رہتا تھا' اس میں لچک نہ تھی۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ میں بھی ملتان جیل میں تھا۔ ایک روز حضرت نے فرمایا قاضی صاحب نماز آپ پڑھایا کریں۔ میں نے معذرت کی کہ حضرت میرا یہ بازو خم نہیں کھاتا' وضو میں بھی مشکل پڑتی ہے اور ہاتھ باندھنے میں بھی۔ حضرت نے میرا بازو تھام کر ٹوٹی ہوئی جگہ پر دست مبارک پھیر کر دو تین مرتبہ یہ جملہ فرمایا "اچھا یہ ٹھیک نہیں ہوتا" پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر کریں گے۔ ٹھیک ہوجائے گا۔ اس کے بعد نماز کا وقت آیا۔ میں وضو کرنے بیٹھ گیا تو بالکل بے دھیانی میں ناک صاف کرنے کے لئے میرا بایاں ہاتھ بے تکلف ناک تک پہنچ گیا۔ یک دم میرے ذہن میں خیال آیا کہ آج میرا بازو صحیح کام کرنے لگ گیا ہے۔ میں نے ہلا جلا کر دیکھا تو صحیح کام کر رہا تھا۔ یقین ہوگیا کہ یہ حضرت کی توجہ کی برکت اور کرامت کا نتیجہ ہے۔

"(تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۳۵۳ تا ۳۵۴)

حضرت لاہوری اور مولانا عبدالستار خان نیازی

نوجوانوں کے ساتھ بہت محبت سے ملتے اور قدم قدم پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کو تحریک ختم نبوت کے دوران پھانسی کی سزا ملی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہوئی اور پھر آخر رہا ہوگئے۔ مولانا نیازی کہتے ہیں میری رہائی کے بعد حضرت لاہوری میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ آپ کی نشست کا نیچے انتظام کیا ہوا تھا۔ واپس جانے لگے تو فرمایا مولانا اوپر کے کمرے میں مجھ کو اپنی چارپائی تک بھی لے چلو تاکہ مجھے قدم قدم کا ثواب ملے۔ میں ایک مجاہد سے ملنے آیا ہوں۔ مولانا نیازی سے یہ کہہ کر حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے حضرات! آپ بھی اپنے آپ کو تلوار کی دھار پر لایئے اور دل سے کہئے ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین۔

"(تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۳۵۴' از مولانا اللہ وسایا)

دوستو آؤ محمدؐ پہ نچھاور کردیں
تار جتنے بھی بچا ہیں گریبانوں میں

تحریک تحفظ ختم نبوت میں سرکاری ملازمین کا روشن کردار

ادھر صوبائی سول سیکریٹریٹ آج پھر بند رہا۔ تمام چھوٹے بڑے ملازمین نے مکمل ہڑتال کی اور سیکریٹریٹ کی چار دیواری کے اندر جمع ہو کر مطالبہ کرنے لگے کہ شہر میں فائرنگ اور ظلم کو فوری طور پر بند کردیا جائے اور تحریک کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

حافظ عبدالمجید چیف سیکریٹری' سید غیاث الدین احمد ہوم سیکریٹری اور مسٹر ایس این عالم ڈی آئی جی پولیس تینوں سیکریٹریٹ پہنچے۔ انہوں نے ملازمین کو کام پر جانے اور ہڑتال ترک کرنے کے لئے ہر طرح کہا لیکن سب نے متفقہ طور پر یہی جواب دیا کہ جب تک فائرنگ بند نہیں ہوتی اور مطالبات تسلیم نہیں کرلئے جاتے اس وقت تک ہم ہڑتال ترک نہیں کریں گے۔

اور محکمہ بجلی کے تمام ملازمین نے چیف انجینئر کو نوٹس دے دیا کہ شہر میں ہونے والے ظلم کو بند کیا جائے ورنہ ہم ہڑتال کرتے ہیں اور اس کے بعد بجلی کی سپلائی کا انتظام ناممکن ہوگا۔ چیف انجینئر کو اپنے محکمہ کے ہزاروں ملازمین کا مطالبہ گورنمنٹ ہاؤس گورنر صاحب کی خدمت میں تحریری طور پر بھیجنا پڑا۔ اس طرح ٹیلی گراف آفس اور ٹیلی فون ایکسچینج کے ملازمین نے کام چھوڑ دیا اور اپنے دفتروں اور کمروں سے باہر نکل آئے۔ غرضیکہ سب سرکاری ملازمین نے ہڑتال کردی اور مطالبہ یہی تھا کہ شہر میں ہونے والی اندھا دھند فائرنگ اور بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کو بند کرو۔

"(تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۳۸۵' از مولانا اللہ وسایا)

تم بھی اس جان دوعالم سے وفاداری کرو
اس کے دشمن سے کھلا اظہار بیزاری کرو

عزم بالجزم

میرے بعد حضرت مفتی محمد یونس رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا حاضرین آپ گواہ رہیں کہ آج جبکہ حضور رحمت للعالمین ﷺ کی حرمت و ناموس کے تحفظ کے لئے مجلس عمل نے قوم سے قربانیاں طلب کی ہیں۔ میں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حرمت پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کررہا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر حضور ﷺ کی محبت اور ختم نبوت کے سلسلہ میں میرے جسم کا قیمہ بھی کردیا گیا تو میرے جسم کی ایک ایک بوٹی سے ختم نبوت زندہ باد کی آواز بلند ہوگی۔

"(تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۴۱۲' از مولانا اللہ وسایا)

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

بپھرا ہوا شیر

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں کچھ دیر بعد شہیدوں کو اٹھا کر جامع مسجد میں لے آئے۔ ان کی چارپائیاں ایک دوسرے کے پہلو میں رکھ دی گئیں۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ لوگ آرہے تھے' انہیں پہچان رہے تھے۔ بالآخر مغرب کی نماز تک تین شہیدوں کے گھروں اور ورثاء کا پتہ چل گیا۔ چوتھے جو ایک نوجوان تھے ان کی شناخت نہ ہوسکی اور عشا کی نماز کے بعد تک اس کا کوئی والی وارث نہ آیا۔ وہ رات ہمارے لئے انتہائی مصیبت کی رات تھی۔ کوئی دو اڑھائی ہزار رضا کار تھے جو مسجد میں مقیم تھے۔ سب نے یہ رات جاگ کر کاٹی۔ کچھ نفلیں پڑھتے رہے اور کچھ کلمہ طیبہ کے بلند آواز ذکر میں شامل رہے۔ شہر کے بے شمار لوگوں نے بھی یہ رات مسجد میں ہی گزاری۔ ایک ایسی غم انگیز کیفیت تھی جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ عشا کے بعد میرے دفتر میں

میرے ایک پرانے ساتھی سید معظم علی شاہ صاحب تشریف لائے۔ شاہ صاحب ایبٹ آباد کے قریب بانڈہ پیر خان کے رہنے والے ہیں۔ وہ آج کل امین پور بنگلہ جھنگ کے قریب رہتے ہیں۔ ان دنوں وہ لائل پور کے قریب کے کسی گاؤں میں تھے۔ اس وقت چالیس سال عمر ہوگی۔ فدائی قسم کے مسلمان ہیں۔ پہلے بھی تحریک کشمیر اور تحریک پاکستان وغیرہ میں حصہ لے چکے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں قید و بند کی تکلیفیں بھی برداشت کر چکے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں لت پت میرے پاس پہنچے اور اندر داخل ہوتے ہی اندر سے دروازے کا کنڈا لگا دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کپڑوں پر خون کیسا۔ وہ خاموش رہے۔ انہیں غور سے دیکھا تو انتہائی غضب ناک حالت میں تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ فرمایا یہ شہیدوں کا لہو ہے۔ جب ان یزیدوں نے گولی چلائی اور کئی ماؤں کے لال شہید ہو گئے' کئی زخمی ہو گئے' میں وہاں پہنچا۔ مجھے پولیس نے روکا مجھے جلال آ گیا۔ میں نے کہا میں آگے جاؤں گا' کوئی دنیا کی طاقت مجھے شہیدوں اور زخمیوں کے پاس جانے سے نہیں روک سکتی۔ تمہیں مجھے آگے جانے دینا ہوگا' یا گولی مار دینا ہوگی۔ بالآخر میں آگے چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ زخمیوں کو پولیس اٹھا کر اسپتال لے گئی ہے۔ یہ چار خاک و خون میں تڑپتے ہوئے لاشے مجھے وہاں ملے۔ میں انہیں ایک ایک کر کے اکیلا ہی اٹھا کر لاتا رہا اور پولیس کے حلقے سے نکال کر لوگوں کے سپرد کرتا رہا اور اس طرح ان شہیدوں کو مسجد میں پہنچایا جا چکا ہے۔

اب میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اچانک اپنے کمبل میں سے ایک اسٹین گن نکالی' اسے لوڈ کیا' میرے سامنے رکھ دی۔ کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس ابن حسن ڈپٹی کمشنر نے آج یہ گولی چلانے کا حکم دیا ہے اور ان بے گناہوں کو شہید کیا ہے' اس ظالم انسان کو اگر میں جا کر قتل کر دوں اور پھر اس پاداش میں مجھے سزائے موت ہو گئی' وہ شہادت کی موت ہو گی یا نہیں؟ میں پہلے ہی پریشان تھا۔ ننگے سر' بال بکھرے ہوئے اور کمر میں غم و اندوہ کی وجہ سے ایک پٹکا کمر بند کے طور پر باندھ رکھا تھا۔ طبیعت انتہائی مضمحل اور نڈھال' مجھے لائل پور کی بارونق جامع مسجد دشت کربلا نظر آ رہی تھی۔ اب اس سوال سے میں اور بھی پریشان ہو گیا۔ میں نے اپنے حواس پر قابو پایا' تھوڑا غور کیا اور پھر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر میں اسے یہ کہہ دوں کہ شاہ جی ڈپٹی کمشنر کو قتل کرنا نامناسب اور جائز نہیں تو عین ممکن ہے کہ یہ بھڑکا ہوا انسان مجھے ہی گولی مار کر ڈھیر کر دے۔ میں نے کہا شاہ جی یہ مسئلہ بڑا اہم ہے۔ اس کا تعلق میری اور آپ کی عاقبت سے ہے۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا۔ آپ مجھے تھوڑی مہلت دیں تاکہ میں ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلہ کا صحیح جواب دے سکوں۔

سید معظم علی شاہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ لائل پور کے اس قاتل ڈپٹی کمشنر جس نے گولی چلانے کا حکم دے کر ختم نبوت کے پروانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر شہید کیا ہے' اس کے قتل کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق آپ مجھے کب جواب دیں گے۔ میں کتنی دیر بعد آپ سے دریافت کروں؟ میں نے عرض کیا شاہ جی آپ مجھے سوچنے کے لئے ایک گھنٹے کی مہلت دے دیں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کو کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس نے کہا آپ مجھے پابند نہ کریں۔ میں ایک گھنٹہ کے بعد پھر حاضر ہو جاتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں اس وقت تحریک ختم نبوت کی مقامی مجلس عمل نے مجھے انچارج اور امیر بنایا ہوا ہے۔ یہ میرا حکم ہے' آپ کہیں نہیں جا سکتے۔ آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کریں اور مجھے مزید پریشان نہ کریں۔ وہ مان گئے اور ساتھ والے کمرے میں لیٹ گئے۔ میں نے دو نفلیں پڑھیں' اللہ سے خاص مدد مانگی اور رو رو کر اور گڑگڑا کر دعا کی کہ الٰہی اس عقدہ کو تو ہی حل کرنے والا ہے۔ دعاؤں سے میرے دل کو کچھ سکون اور اطمینان ہوا۔ اتنے عرصے میں ایک گھنٹہ گزر گیا۔ معظم علی شاہ صاحب دروازہ کھول کر اسٹین گن ہاتھ میں تھامے آ گئے۔ میرے سامنے آلتی پالتی بیٹھ گئے۔ اسٹین گن اپنے سامنے رکھ لی اور پھر انہیں غضب ناک آنکھوں اور لہجے سے پوچھا مولانا صاحب میرے سوال کا جواب دے دیجئے' میں اس مردود ڈپٹی کمشنر کو قتل کر دینا چاہتا ہوں۔ میرے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔ جب تک میں اپنا یہ فرض سرانجام نہیں دے لیتا' مجھے چین نہیں آ رہا اور میرا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہو سکتا۔

میں نے شاہ جی سے پھر محبت بھرے لہجے میں بات کی' ان کے جذبے' ان کی ایمانی غیرت اور حضور سرور کائنات ﷺ کے عشق میں جانی قربانی کے عزم کو سراہا اور پھر عرض کیا کہ حضرت ابھی میں کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکا۔ اب مجھے اس کے متعلق استخارہ کرنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیں گے اس کے مطابق مشورہ دوں گا۔ شاہ جی خاموش ہو گئے۔ پھر بولے آخر آپ مجھے کب جواب دیں گے۔ میں نے کہا صبح۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں بلکہ آج مجھے رات دو اڑھائی بجے تک جواب دے دیں۔ کیونکہ صبح سورج نکلنے سے پہلے میں اس شخص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کریں۔ وہ وہاں جا کر لیٹ گئے۔ میں اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہو گیا۔ رات ایک بجے کے قریب میں نے پھر وضو کیا' نفل پڑھے' اللہ سے دعا کی اور تھوڑی دیر لیٹ گیا۔ دعائے استخارہ بھی پڑھ لی۔ نیند تو آ ہی نہیں سکتی تھی۔ کوئی آدھ گھنٹے تک بالکل خالی الذہن ہو کر سوچا حضرت امیر شریعت کا فرمان کانوں میں گونجنا تھا کہ تحریک کو ہر حال پر امن رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ شرعاً بھی میرے ذہن میں یہ بات آ گئی تھی کہ اگر بالفرض سید ابن حسن ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ہی ان مظلوموں کو قتل کیا گیا ہو تو بھی اس قصاص اور بدلے کا حق ہمیں کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو قتل کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ بہرحال میرا ذہن صاف ہو گیا۔ اب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جرأت کر کے اسے کہہ دینا چاہئے کہ یہ قتل ناحق ہو گا جس کا ہمیں حق حاصل نہیں ہے۔

میں نے ایک رضاکار کو کہا کہ وہ جائے اور دیکھے کہ شاہ صاحب سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ شاہ صاحب سو رہے ہیں لیکن ان کی اسٹین گن کہیں پڑی ہے' پشاوری کلیے پر بندھی ہوئی پگڑی کہیں ہے' اور شاہ صاحب کہیں ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ فوراً اسٹین گن اٹھا لے اور میرے کمرے کی الماری میں بند کر کے تالا لگا دے۔ وہ اسٹین گن لایا' اسے تالے میں بند کر دیا۔ میں نے کہا اب جاؤ شاہ صاحب کو کہو کہ انہیں ہمارا استخارہ مکمل ہو گیا ہے۔ وہ شاہ کو جگا لایا۔ میں نے شاہ صاحب سے بڑے ہی محبت بھرے لہجے میں پھر بات چیت شروع کی اور ان کی خدمات کو سراہا ان کی جرأت' ایثار' قربانی اور عشق رسول ﷺ پر مر مٹنے کی تمنا کی تعریف کی اور عرض کیا کہ ڈپٹی کمشنر کو قتل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ظلم سہنا ہے' ظلم کرنا نہیں ہے۔ خود یزیدوں کے ہاتھوں اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہے' لیکن کسی پر ہاتھ نہیں اٹھانا ہے۔ یہی شریعت کا مسئلہ ہے اور یہی مجھے میرے لیڈروں کی ہدایت ہے۔

اب اگر خدانخواستہ یہ کام آپ کریں گے تو یہ خلاف شرع ہو گا۔ ذاتی اور نفسانی غصے کی وجہ سے ہو گا اور آپ جب اس کی پاداش میں خدانخواستہ پھانسی پائیں گے تو وہ موت شہادت کی نہیں ہو گی۔

شاہ جی سو کر اٹھے تھے۔ ان کے رات کے جذبات اور غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کہنے لگے اچھا پھر کہنے لگے آپ مجھے اجازت دے ہی دیں' میں اس موذی کو ٹھکانے لگا دوں تاکہ دوسرے بے ایمانوں کو عبرت ہو۔ میں نے کہا شاہ جی اب تو آپ نے مسئلہ کے فیصلہ کی پابندی کرنی ہے اور بس۔ کہنے لگے لاؤ میری وہ اسٹین گن کہاں ہے؟ میں نے کہا آپ کے پاس تھی۔ کہنے لگے کسی نے سوتے وقت اٹھائی ہے۔ اچھا میں اب باہر جاتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ حکمت عملی سے سمجھانا کارگر ہو گیا ہے تو میں نے آخر میں ایک بات اور بھی کہہ دی۔ میں نے کہا شاہ جی آپ کا غصہ اتر گیا ہے یا نہیں؟ کہنے لگے غصہ تو اتر گیا۔ میں نے کہا اگر رات کو غصے میں آپ یہ فعل کر گزرتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کو حکومت سرکاری گواہ بناتی اور شاید قتل کے جرم میں سزائے موت تحریک کے راہنماؤں کو ہوتی۔

("تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۴۲۹ تا ۴۳۳)

ہم اہل جنوں اور جھکیں موت کے آگے
ہم جب بھی مرے موت پہ احسان کریں گے

باقی ص ۲۵ پر

قانون شہادت پر شبہات کی حقیقت

مولانا محمد اشرف قریشی

ہر مہذب و متمدن معاشرہ میں جرائم کے خاتمہ کے لئے عدالتوں کا قیام ضروری ہے۔ عدالت کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ مجرم کو اس کے جرم کے مناسب سزا دے اسی طرح اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے مجرم پر اس کے جرم کو ثابت کرے تاکہ بے گناہ انسان کو سزا نہ ملے۔ جرم کے ثبوت کے لئے عدالت کے پاس دو راستے ہیں۔ گواہی اور اقرار۔ اقرار ایسا طریقہ ہے کہ جس میں جھوٹ و دھوکہ اور کا احتمال کم ہے۔ اس لئے قاضی اس کے ذریعہ باآسانی جرم ثابت کرکے سزا دے سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص شرائط بھی نہیں ہیں لیکن اس کا وقوع کم ہے۔ اکثر جرائم کا اثبات گواہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس میں جھوٹ' دھوکہ و غلطی کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے ہر قانون میں اس کے لئے کچھ شرائط مقرر ہوتی ہیں۔ اسلام میں گواہی کی بڑی اہمیت ہے' اس لئے اس سے متعلق احکامات قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

بعض کج بین و خواہش پرست لوگ اسلام کے مقرر کردہ قانون شہادت پر اعتراض کرکے اپنی کم علمی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ قانون ناقص العلم والشاہدۃ انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ خالق کائنات' ظاہر و باطن کے احوال سے باخبر اور انصاف کرنے والی ذات کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ بھلا وہ ذات کیسے ظلم کرسکتی ہے جو یہ حکم دے کہ۔

"تمہیں کسی قوم کی دشمنی انصاف نہ کرنے پر نہ ابھارے' انصاف کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔"

نیز فرمایا۔

"بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔"

اللہ کے بنائے ہوئے قانون کو انصاف و مساوات کے منافی قرار دینا خود ایک بڑا ظلم ہے۔ ان لوگوں کے اعتراض کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص رات و دن کا انکار کرے۔ لیکن چونکہ آج کل ایمان بالغیب کمزور ہوگیا ہے' مادیت پرستی نے بصیرت پر پردہ ڈال دیا ہے اور پروپیگنڈہ نے جھوٹ کو سچ ثابت کردیا۔ اس لئے جہالت کے اس پردہ کو چاک کرنے اور حقیقت بیان کرنے کے لئے کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔

لفظ شہادت عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی حاضر ہونا ہیں۔ چونکہ گواہ بھی وقوع جرم کے وقت حاضر ہوتا ہے' اس لئے اسے شاہد کہتے ہیں۔ گویا اصل شاہد و گواہ وہ ہے جو اپنی آنکھوں سے واقعہ کا معائنہ کرے۔ جرم کے خاتمہ اور حق دلوانے میں شاہد کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

"گواہی مت چھپاؤ' جس نے اسے چھپایا تو اس کا دل گناہگار ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا کہ۔

"اللہ کے لئے گواہی کو قائم کرو۔"

یعنی گواہی دینا اللہ کا حق ہے۔ گواہ جھوٹی گواہی دے کر بے گناہ کو بھی سزا دلوا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

"اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ اللہ کے لئے گواہی قائم کرنے والے ہوجاؤ اگرچہ خود تمہارے یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔"

دوسری جگہ فرمایا کہ۔

"تم میں سے دو عادل گواہی دیں۔"

اور فرمایا کہ۔

"اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو۔"

یعنی گواہ کے لئے عادل اور پسندیدہ حالات ہونا شرط ہے۔ اسی بناء پر شریعت نے زنا کی تہمت لگانے والے کی گواہی ہمیشہ کے لئے رد کردی۔ فرمایا کہ۔

"اور ان کی گواہی بھی قبول نہ کرو۔"

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ آپ نے کبیرہ گناہ گنوانا شروع کئے اور ان میں جھوٹی گواہی کو بھی شمار کیا۔ اس کے بیان کے وقت آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور تاکید کے ساتھ بار بار اس لفظ جھوٹی گواہی کو دہراتے رہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں جھوٹی گواہی نہایت ہی شدید مذموم ہے اور کیوں نہ ہو' اس کے ذریعہ مجرم بری ہوجاتا ہے اور بے گناہ مجرم بن جاتا ہے۔ جس کی بناء پر معاشرہ سے جرائم ختم ہونے کے بجائے پھیلتے ہی جاتے ہیں۔ اسی لئے قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ گواہ کے حالات کی تحقیق کرے پھر اس کی گواہی قبول کرے۔

مذکورہ بالا بیان سے چند امور واضح ہوئے۔

۱۔ گواہ وہ ہے جو اپنی آنکھوں سے واقعہ کا معائنہ کرے۔

۲۔ گواہ کا عادل و پسندیدہ حالات ہونا ضروری ہے۔

۳۔ ہر گواہ پر فوراً اعتماد نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی چھان بین کرنی چاہئے کیونکہ اس کی گواہی سے جرم ثابت ہوگا اور ایک انسان کو سزا ملے گی۔

۴۔ جھوٹی گواہی نہایت مذموم ہے۔

ان امور کی وضاحت کے بعد اب ہم اسلامی قانون شہادت پر نظر ڈالتے ہیں۔ اسلامی قانون یہ ہے کہ حدود و قصاص میں عورت کی گواہی ہی نہیں ہے۔ مالی و غیر مالی خارجی حقوق و معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔ وہ امور جن پر مرد کو اطلاع نہیں ہوسکتی ان میں ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہے۔

اس قانون سے معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کے علاوہ مالی و خارجی امور میں اکیلی عورت کی گواہی کافی نہیں بلکہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں گواہی دیں۔ یہ حکم قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ طلب کرو' پس اگر دو مرد نہ ہوں تو جن گواہوں کو تم پسند کرو ان میں سے ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ اگر ایک عورت چوک جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلائے۔"

قرآن کے اس حکم کو شک کی نگاہ سے دیکھنا یا اس پر اعتراض کرنا مسلمان کی شان نہیں ہے بلکہ اعتراض کرکے اپنی اسلامی حیثیت کو مشکوک کرتا ہے۔

جو لوگ مساوات کا دعویٰ کرکے عورت و مرد کی گواہی کو ایک جیسا قرار دیتے ہیں ان کے مغالطہ کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں مساوات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ گواہی دینے کی اہلیت میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ اسی لئے جن امور پر مرد کو اطلاع نہیں ہوسکتی ان میں ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے اور بعض احکام میں فرق عدم مساوات کی وجہ سے نہیں بلکہ جرم کی نوعیت و تحقیق انصاف کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ یہ پہلے معلوم ہوگیا کہ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کا معائنہ کرے۔ چونکہ اسلامی معاشرہ میں عورتوں کا خارجی معاملات میں اتنا زیادہ عمل دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ احتمال اور ظن غالب ہے کہ ایک عورت اس واقعہ و معاملہ کی پوری تحقیق نہ کرسکی ہو' تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک عورت کی گواہی نے تکمیل کے لئے دوسری عورت کی گواہی کی شرط مقرر کی جائے تاکہ شک و شبہ ختم ہوجائے اور جرم کا اثبات صحیح طور پر ہوسکے۔ اسی شبہ کی بناء پر حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ حدود و قصاص سزا کا انتہائی درجہ ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے شریعت نے شرائط میں سختی رکھی ہے تاکہ بے گناہ کو سزا نہ مل سکے اور یہ بھی حکم دیا کہ۔

"شبہ کی بناء پر حدود کی سزاؤں کو دور کرو۔"

چونکہ عورتوں کی گواہی میں شبہ ظاہر ہے' اس لئے ان کی گواہی مقبول نہیں۔ قتل کے معاملہ میں بھی عورت کا گواہی دینا شاذ و نادر ہے۔ کیونکہ قتل بے دردی و سفاکی کا منظر ہے۔ عموماً عورتیں ایسے واقعات میں حاضر نہیں ہوتیں اور اگر حاضر ہو بھی جائیں تو حواس باختہ ہوجاتی ہیں حالانکہ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ باہوش و حواس اس واقعہ کا معائنہ کرے اور کسی کمی و اضافہ کے بغیر عدالت کے سامنے اسے بیان کرے۔ اس لئے قتل کے واقعہ کی اگر

عورت گواہ ہو بھی جائے تب بھی شبہ کی بنا پر اس کی گواہی مقبول نہیں۔ کیونکہ قوانین اکثری و عمومی حالات کے مطابق بنائے جاتے ہیں' ان میں استثنا نہیں رکھا جاتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مساوات کا دعویٰ تو ٹھیک ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد و عورت انسانی حقوق میں برابر ہیں اور ہر ایک اپنی صلاحیت و قوت کے مطابق اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ قوت و صلاحیت کے فرق کی وجہ سے دو مساوی چیزوں کے حکم میں بھی فرق آجاتا ہے۔ مثلاً دو آدمی' دو آنکھیں ہونے اور دیکھنے کی صلاحیت میں برابر ہیں لیکن ایک کی نظر تیز ہے اور دوسرے کی کمزور ہے۔ یہ کمزور نظر والا تیز نظر والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر وہ یہ کہے کہ میری بھی دو آنکھیں ہیں اس لئے میں تیز نظر والے کے برابر دیکھ سکتا ہوں تو تجربہ اسے جھوٹا ثابت کردے گا بلکہ برابری کرنے کے لئے اسے ایک اور بصری آلہ یعنی چشمہ لینے کی ضرورت ہوگی جو اس کی کمزوری کو دور کردے۔ یہ اصول ہر چیز میں جاری ہے اور اس کا انکار کرنا حقیقت کا انکار کرنا ہے۔ اسی طرح عورت اور مرد انسانی حقوق میں مساوی ہیں لیکن قوت و صلاحیت میں مساوی نہیں ہیں۔ عقل و نقل' تواتر یعنی رواج' تجربہ اور مشاہدہ سب اس کی دلیل ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو اس سے قناعت نہیں ہوتی اور وہ کہتے ہیں کہ آج کے دور میں عورت و مرد قوت و صلاحیت میں برابر ہیں۔ ان کی قناعت کے لئے ہم سائنسی تحقیق کے حوالہ سے اس فرق کی وضاحت کردیتے ہیں۔

جناب نصرتی چوہان صاحب نے اپنے مضمون "عورت بمقابلہ مرد" مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ نومبر ۱۹۸۸ء میں عورت و مرد کی صلاحیتوں کے درمیان سائنسی تحقیق کے مطابق تقریباً بارہ فرق بیان کئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ عورتوں کے دماغ میں بہت سی صلاحیتوں کا فقدان ہوتا ہے۔

۲۔ عضلاتی اور سخت کام میں مرد کو فوقیت حاصل ہے۔

۳۔ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں ۳۰ فیصد زیادہ دن صاحب فراش رہتی ہیں۔

۴۔ ریاضی میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔

۵۔ فضائے بسیط کی بصری صلاحیتوں میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے اور یہ صلاحیت مرد میں مرتے دم تک رہتی ہے۔

۶۔ تجزیہ کرنے اور سہ طرفی اشیاء کی ماہیت کو سمجھنے میں مرد کو فوقیت حاصل ہے۔

۷۔ عورتوں کے مقابلہ میں مرد زیادہ جارحیت پسند ہوتے ہیں۔

۸۔ مرد زیادہ خود مختار ہوتے ہیں اور خود فیصلہ کرنا پسند کرتے ہیں جبکہ عورتیں اکثر اپنے ساتھیوں اور ماتحت عملے سے مشورہ کرنا پسند کرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذہنی و جسمانی صلاحیت میں مرد کو فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے حکم میں بھی فرق ہوگا اور مرد کے مساوی ہونے کے لئے ایک عورت کو دوسری عورت سے مدد لینے کی ضرورت پڑے گی۔ اسی وجہ سے اسلام نے خارجی و مالی معاملات کی گواہی میں دو عورتوں کی شرط مقرر کی جبکہ خاص عورتوں کے معاملات میں ایک عورت کی گواہی کو بھی قبول کرلیا جو کہ انصاف' عقل' تحقیق و تجربہ کے عین مطابق ہے۔

آخر میں تمام مسلمانوں خاص کر مسلمان عورتوں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اسلام کے مقرر کردہ اصول کو دل و جان سے تسلیم کریں اور شک و اعتراض کرنے کے بجائے ان پر عمل کرکے اس کی حکمتوں کو تلاش کرنے کی کوشش

باقی ص ۲۵ پر

جگر مراد آبادی کی طرف منسوب ایک شعر

برادر عزیز محمد انور راناصاحب سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے آپ سب بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہوں گے۔ دعاگو ہوں اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھیں (آمین)۔

میں آپ کی توجہ "ختم نبوت انٹرنیشنل" شمارہ ۲ (جلد ۱۳) میں "باتیں ان کی یاد رہیں گی" کے عنوان سے محترم المقام جناب ابوالحسن منظور احمد شاہ آسی (مانسہرہ) کے مضمون کی طرف دلانا چاہوں گا' جس میں مضمون کا آخری حصہ تصحیح طلب ہے۔ منظور شاہ صاحب نے لکھا کہ مشہور شاعر جگر مراد آبادی کی امیر شریعتؒ سے دوستی تھی اور اسی حوالے سے انہوں نے یا مصنف "ہیں بڑے مسلمان" نے یہ شعر

ملیں اسی لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دختران وطن تار تار کو ترسیں

جناب جگر مراد آبادی مرحوم سے منسوب کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ دراصل یہ شعر شاہ جیؒ کے عقیدت مند جناب ساحر لدھیانوی مرحوم کا ہے' جنہوں نے "قحط بنگال" کے عنوان سے اپنی شہرۂ آفاق نظم کہی تھی۔

جہان کہنہ کے مفلوج فلسفہ دانو!
نظام نو کے تقاضے سوال کرتے ہیں
یہ شاہراہیں اسی واسطے بنی تھیں کیا
کہ ان پہ دیس کی جنتا سسک کے مرتے
ملیں اسی لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دختران وطن تار تار کو ترسیں

ساحر' آغا شورش کاشمیریؒ کے دوست اور ہم عصر تھے۔ حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ نظم سنائی۔ حضرت امیر شریعتؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے کمال فیاضی سے شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق اور ملکہ عطا فرما رکھا تھا۔ نے ارتجالاً" یہ شعر پیش کیا۔

چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

ساحر' شورش اور دیگر حاضرین پھڑک اٹھے۔ یہ شعر شاہ جیؒ اور ان کے عظیم ساتھیوں کی جدوجہد کا ترجمان تھا۔ ساحر نے شاہ جیؒ سے درخواست کی کہ وہ یہ شعر اسے عطا کردیں۔ شاہ جیؒ نے اپنی قلندرانہ لے میں مندرجہ بالا شعر ساحر کو عنایت کردیا جو ان کی مشہور زمانہ نظم "قحط بنگال" کا حصہ بن گیا۔

جگر مراد آبادیؒ ایک زمانے میں شاہ جیؒ کے عقیدت مند کی حیثیت سے انہیں ملتے رہے تو اکثر دہلی' دیوبند' مراد آباد اور لکھنؤ میں علامہ انور صابری مرحوم کے ہمراہ شاہ جیؒ کے پاس آتے اور اپنا کلام سناتے۔ برصغیر کے ممتاز شعراء جن میں مولانا سالک' پطرس بخاری' صوفی تبسم' فیض احمد فیض' ساحر' روش صدیقی' حفیظ جالندھری' پروفیسر تاثیر' چراغ حسن حسرت' مجید لاہوری' علامہ انور صابری' حفیظ ہوشیارپوری کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ اکثر حضرت امیر شریعتؒ کی خدمت میں آکر شعری داد و تحسین وصول کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ شاہ جیؒ سے بڑا کوئی شعر شناس نہیں' اور جو داد ان کو امیر شریعتؒ سے ملتی ہے وہ کہیں اور سے کیا ہی ملے گی!

امید ہے کہ یہ چند سطور منظور شاہ صاحب کے مضمون کو مزید جلا بخشیں گی۔

احباب کرام کو سلام عرض۔ درخواست دعا۔ دعاگو حفیظ رضا پسروری

مسئلہ ختم نبوت در آیت خاتم النبیین

مولانا عبداللطیف مسعود۔ ڈسکہ

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیما○ (الاحزاب آیت ۴۰)

یعنی محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔

یہ آیت صاف دلالت کررہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔

(ازالہ اوہام ص ۶۱۴)

(۲) خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین

(روح المعانی تحت مقدمہ)

(۳) خاتم الشئی آخرہ و محمد خاتم الانبیاء بالفتح ﷺ۔ (صراح ص ۳۶۷)

(۴) فہذہ الآیۃ نص علی انہ لانبی بعدہ

(تفسیر ابن کثیر)

(۵) وقد اخبر اللہ تعالیٰ فی کتابہ ورسولہ ﷺ فی السنۃ المتواترۃ عنہ انہ لانبی بعدہ والمدعی عبحدہ ضال مضل ررجال (ابن کثیر)

(۶) انقطاع حدوث وصف النبوۃ فی احد من الثقالین الثقالین بعد تحلیتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہا فی ہذہ النشاء (سدروح المعانی ص ۳۲ ج ۲۲)

(۷) خاتم النبیین ختم بہ النبوۃ بعدہ

(تفسیر خازن)

(۸) خاتم النبیین آخر ہم یعنی لا ینباء احد بعدہ تفسیر مدارک

(۹) ثبت انہ آخر الانبیاء

(شرح عقائد نسفیہ)

مندرجہ بالا حوالجات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ خاتم النبیین کا معنی باتفاق ائمہ امت و مجددین کرامؒ آخری نبیؐ ہی ہے اور اسی مفہوم کو مرزا قادیانی نے بھی ازالہ اوہام میں پیش کیا ہے مگر اب قادیانی ایک خاص مجبوری کی وجہ سے خاتم کے معنی میں مختلف ابلیسی تاویلات کرتے پھرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اسکا معنی افضل النبیین ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مہر زینت کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خاتم النبیین یعنی نبیوں کی مہر۔ گویا اب آپکی مہر سے نبی بنتے ہیں اسی طرح انہوں نے مفہوم بالکل ہی الٹ دیا ہے جو آیت ختم نبوت کی دلیل تھی اب وہ اسے اجرائے نبوت کے لئے استعمال کرنے لگے ہیں۔

اب ذیل میں مرزا قادیانی کے مزید حوالجات اسی اجماعی مفہوم کی تائید میں ملاحظہ فرمایئے

(۱) ختم نبوت کے متعلق میں پھر کہتا ہوں کہ خاتم النبیین کے بڑے معنی یہی ہیں کہ نبوت کے امور کو آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ پر ختم کیا...... اور نبوت ختم ہوگئی۔

(دیکھئے ملفوظات احمدیہ ص ۱۲ ج طبع لاہور)

اس حوالہ میں اور سابقہ ازالہ ص ۶۱۴ کے حوالہ میں مرزا نے خاتم النبیین کا مفہوم یہی لیا ہے آنحضرت ﷺ نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور یہ مفہوم اور معنی سب سے بڑا اور اعلیٰ معنی ہے۔

اور سنئے مرزا قادیانی لکھتا ہے۔

الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سبی نبینا ﷺ کاتم الانبیاء بغیر استثناء وفسرہ بنیانا فی قولہ لانبی بعدی ببیان واضح للطالبیین لو جو نہ نا ظہور نبی بعد ینینا ﷺ لجوزنا انفتاح باب وحی البنوۃ بعد تغلیقہا۔ ہذا خلف۔ کمالا یخفی علی المسلمین وکیف یجئی بنی بعد رسولنا ﷺ وقد انقطع لوبی بعد وفاتیہ وختم اللہ بہ النبیین۔

(حمامۃ البشریٰ ص ۲۰ خزائن)

(۱) فقد قال رسول اللہ ﷺ لانبی بعدہ وسماہ تعالیٰ خاتم الانبیا خمن این یظہر نبی بعدہ

(تحفہ بغداد ص ۲۸)

اور جو دیوار نبوت کی آخری اینٹ ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ سرمہ چشم آریہ ص ۱۵۔

ان اللہ افتتح وحیہ من آدم وختم علی نبیؐ کان منکم ومن ارضکم وطنا" وماوی ومولدا" وما ادرکم من ذالک النبی مصطفی سید الاصفیاء و فخر الانبیاء وخاتم الرسل۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۲۰)

(۵) ہمارے نبی کریم ﷺ آخر زمانے کے نبی تھے ......چنانچہ یہ ام مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ آپ آخرالزمانؐ تھے۔

(ملفوظات ص ۸۲ ج ۱ وایضا ص ۱۲۰ ج)

(۶) ہمارے سید رسول ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی نہیں آسکتا اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے۔

(شہادۃ القرآن ص ۲۸)

(۷) اکملت لکم دینکم اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں صریح نبوت کو آنحضرت ﷺ پر ختم کرچکا ہے اور صریح لفظوں میں فرماچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

(تحفہ گولڑویہ ص ۸۳)

(۸) آپ نے لانبی بعدی کہکر کسی نئے نبی یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعا" دروازہ بند کردیا۔

(ایام الصلح ص ۱۵۲)

(۹) ماکان اللہ ان یرسل نبیا" بعد نبینا خاتم النبیین وماکان اللہ ان یحدث سلسلتہ النبوۃ ثانیا بعد انقطاعہا۔

(آئینہ کمالات ص ۳۷۷)

(۱۰) والنبوۃ قد انقطعت بعد نبینا ﷺ ولا کتاب بعد القرآن الذی ہو خیر الصحف السابقۃ ــــ وان رسولنا خاتم النبیین علیہ انقطعت سلسلتہ المرسلین فلیس حق احد ان یدعی النبوۃ بعد رسولنا المصطفی علی الطریقۃ المستقلہ (ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۴ خزائن ۶۸۹،۶۸۸ ج ۲۲

قادیانی کہتے ہیں کہ جب لفظ خاتم جمع کی طرف مضاف ہو تو اسکا معنی افضل ہوتا ہے نہ کہ آخر اب آپ ذیل میں انکے خلاف اور اہل اسلام کے حق میں اقوال مرزا سنئے۔

بائیں ہمہ میں اپنے والد کے لئے خاتم الاولاد تھا میرے بعد کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تریاق القلوب ص ۱۵۷ روحانی خزائن ص ۴۵۷ ج ۱۵ براہین ص ۸۶ ج ۵ خزائن ص ۱۱۳ ج ۲۱ ملاحظہ فرمایئے یہاں خاتم صیغہ جمع کی طرف مضاف ہے مگر معنی آخری ہے اسی طرح خاتم النبیین کا معنی بھی آخری نبی ہی ہوگا۔ اگر خاتم النبیین کا معنی یہ کریں کہ آپکی مہر سے نبی بنیں گے تو خاتم الاولاد کا معنی بھی یہ ہونا چاہئے کہ مرزا کی مہر سے آئندہ اور بچے بھی بنا کرینگے۔ اگر تم مرزا کے والدین کے حق میں یہ مفہوم تسلیم کرلو اور ایسا ہونا ثابت کردو تو ہم بھی خاتم النبیین کا ایسا معنی تسلیم کرنے کا وعدہ کرلیتے ہیں ہے کوئی قادیانی جیالا جو اس میدان میں کودے اور فتح کا ڈنکا بجائے۔ ورنہ مرزا پر لکھتا ہے کہ تین حرف بھیج کر صحیح مسلمان بن جائے۔ اور سنئے مرزا لکھتا ہے کہ ایسے زمانے میں خدا تعالیٰ نے مسیح بن مریم کو نبی اسرائیل کے نبیوں کا خاتم الانبیا کرکے بھیجا دیکھئے مرزا کے ذاتی کتاب (ازالہ اوہام ص ۶۳۵ طبع لاہور سنہ ۱۹۵۱ء)

کیا کوئی قادیانی سپوت خاتم الانبیا کی معنی یہاں مہریں لگا کر بھیجنے والا کرے گا؟ یا وہی صحیح معنی کرے گا کہ جو تمام اہل اسلام کرتے ہیں یا مرزا صاحب قبل از مراق و ہسیریا کیا کرتے تھے۔

ایسا ہی آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں صریح نبوت کو

آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیگا اور صریح لفظوں میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵ مندرج روحانی خزائن ص ۳۰ ج ۱۷)

اس میں حکمت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام خاتم المخلوقات ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے لفظ خاتم مضاف جمع کی طرف ہے مگر معنی آخری ہے اسی طرح خاتم النبیین کا معنی ہے۔

خدا کی کتابوں میں مسیح موعود کے کئی نام ہیں منجملہ انکے ایک نام خاتم الخلفاء ہے یعنی ایسا خلیفہ جو سب سے آخر آنے والا ہے۔

(چشمہ معرفت ص ۳۱۸ ج خزص ۳۳۳ ج ۲۳)

کماکان عیسٰی خاتم الخلفاء السلسلته الکلیمته وکان لها کاخر اللبنته وخاتم المرسلین رسالہ الفرق فی آدم وا لمسیح الموعود ملحقہ خطبۃ الہامیہ خزائن ص ۳۰۹ ج ۱۶

ملاحظہ فرمایئے جیسے حضرت عیسیٰ سلسلہ کلیمیہ کے خاتم الخلفاء تھے یعنی اس سلسلہ کی آخری لڑی اور خاتم المرسلین تھے آخری مرسل تھے اسی طرح خاتم النبیین کا معنی بھی آخری نبی ہی ہوگا نہ مہر ہوگا اور نہ انگوٹھی وغیرہ۔ نیز لفظ خاتم مضاف الی الجمع بھی موجود ہے مگر معنی وہی آخری فرد ہی ہے۔

قادیانیوں کو خاتم کا معنی مہر کرنے پر بڑی ضد ہے مگر اس صورت میں بھی مفہوم کسی چیز کو ختم کرنے اور بند کرنے کا ہی ہوگا۔ ذیل میں اسی مفہوم کی تائید میں عبارات ملاحظہ فرمایئے۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے

(۱) وید کی رو سے خوابوں اور الہاموں پر مہر لگ گئی ہے۔ حقیقتہ الوحی ص ۳

(۲) آئندہ الہام اور وحی الٰہی پر مہر لگ گئی ہے۔ حقیقتہ الوحی ص ۲۷

(۳) عیسائی مذہب میں معرفت کا دروازہ بند ہے کیونکہ آئندہ خدا تعالیٰ کی ہم کلامی پر مہر لگ گئی ہے اور آسمانی کتابوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ حقیقتہ الوحی ص ۶۰ مندرج معانی خزائن ص ۶۳ ج ۲۲

(۴) آریوں نے تو وید تک ہی خدا کی ہم کلامی پر مہر لگادی تھی۔ (مندرجہ روحانی خزائن ص ۴۹۰ ج ۱۳ طبع ربوہ)۔

دیکھئے مندرجہ بالا چاروں حوالجات میں لفظ مہر استعمال ہوا ہے مگر معنی وہی کسی چیز کو ختم کرنا اور بند کرنا ہی ہے۔ اجراء کہیں بھی نہیں اسی طرح اگر خاتم کا معنی مہر بھی کریں تو بھی ہمارا مقصد پورا ہو جائیگا۔ کیونکہ مہر لگا کر کسی چیز کو بند کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس میں نہ کچھ داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی کچھ نکالا جاسکتا ہے۔

اب ذیل میں قرآن مجید سے ختم کا مفہوم سماعت فرمایئے۔

ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم

(البقرہ)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے یعنی اب نہ انکے دلوں میں کچھ چیز جاسکتی ہے اور نہ ہی کانوں میں۔ نیز نہ ہی ان کسی قلوب و اذہان سے کفر نکل سکتا ہے۔

(۲) ختامہ مسک۔ یعنی اسکی بندش اور مہر کستوری کی ہوگی۔

(۳) الیوم نختم علی ا فواھھم وتکلمنا ایدیھم۔ آج کے دن ہم انکے منصوبوں پر مہر لگا دینگے اور انکے ہاتھ ہم سے گفتگو کرینگے یعنی موہنہ بند کر دیئے جائینگے۔

اور سماعت فرمایئے مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں...... ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث لانبی بعدی میں بھی نفی عام ہے پس یہ کس قدر جرات اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیا کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے۔ (ایام الصلح ص ۱۴۶ روحانی خزائن ۳۹۳ ج ۱۴)

ترجمہ۔ یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور آپ کا نام خدا تعالیٰ نے خاتم الانبیاء رکھا ہے پھر اور نبی کیسے آسکتا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا۔ (حقیقتہ الوحی ص ۳۴)

اور سب کے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔ (حقیقتہ الوحی ص ۱۴۱ خزائن ص ۷۷ ج ۲۲)

ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ آپکے بعد مزید کسی فرد نبوت پہ سرفراز نہ کیا جائیگا۔ سابقہ نبی ایک نہیں سیکڑوں نبی آجائیں تو وہ اسکے خلاف نہیں جیسے مرزا کے خاتم الاولاد کے تحت یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ اور اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ ﷺ ہمیشہ وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی ﷺ کے بعد ہرگز نہیں آسکتا۔

(ازالہ ص ۵۴۴)

جبرائیل اب وحی نہیں لا سکتا بالکل سچ ہے۔ اسی لئے جناب کے پاس مٹھن لال اور ٹیچی وغیرہ جیسے ہرکارے آتے رہے اور انکو بھیجتا بھی خدا کے پلاش اور ساقہ اور انگریزی خدا تھا۔ جسے خدا کو مرزا سے کوئی سروکار اور تعلق نہیں ہے۔

یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ کو مضمون میں قرآن مجید سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔ (ازالہ ص ۴۲۴)

علاوہ ان باتوں کے مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کو یہ آیت بھی روکتی ہے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور ایسا ہی یہ حدیث بھی کہ لانبی بعدی یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ باوجود کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں پھر کسی وقت دوسرا نبی آجاوے اور وحی نبوت شروع ہو جائے۔ (ایام الصلح ص ۷۴ خزص ۲۷۹ ج ۱۴)

کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے؟ کہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں...... اور غیر حقیقی طور پر کسی نہ کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اسکو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں مگر میں اسکو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے...... اور اصل حقیقت جسکی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپکے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی نیا اور نہ کوئی پرانا۔

ان حوالجات سے واضح ہو گیا کہ مرزا قادیانی صحیح ختم نبوت کا قائل ہے اور انکے نزدیک آنحضرتؐ کے بعد کسی بھی (ظلی بروزی) نبی کا آنا محال ہے آئندہ وحی نبوت ورسالت یا نزول جبرائیل قطعاً محال اور ممتنع ہے۔

بلکہ وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی نیا نبی تو کجا پرانا بھی نہیں آسکتا اسی طرح وہ اس مقالہ میں عام مسلمانوں سے بھی تحت نظر آتا ہے اگرچہ پرانے نبی (مسیح) کی آمد کے بارہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہے کیونکہ آئندہ حدوث نبوت ممنوع ہے جیسے کہ خود اسنے آئینہ کمالات ص ۳۷۷ میں اقرار کیا ہے اسلئے کہ ایسے نبی سے مسئلہ ختم نبوت قطعاً مخدوش نہیں ہو سکتا اور پھر اس سلسلہ میں خود خاتم الانبیا ﷺ کے بکثرت ارشادات بھی منقول ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی سے مسئلہ ختم نبوت پر زد نہیں پڑتی۔ صرف کسی نئے نبی کی آمد سے یہ مسئلہ مجروح ہوتا ہے سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد بھی اقرار ختم نبوت از مرزا قادیانی

(۱) صرف اسی خدا ہی نے خبر دی جس نے ہمارے نبی ﷺ کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا۔

(حقیقتہ الوحی ص ۳۴ مندرج روحانی خزائن ص ۷۷ ج ۲)

(۲) اور سب کے آخر حضرت محمد ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیا اور خیر الرسل ہے۔

واضح رہے کہ یہ کتاب یعنی حقیقتہ الوحی سنہ ۱۹۰۷ء کی طبع شدہ ہی جو کہ سنہ ۱۹۰۱ء کے کئی سال بعد لکھی گئی ہے۔ اب مرزا محمود اور موجودہ قادیانی غور کریں جو کہتے ہیں کہ مرزا صاحب سنہ ۱۹۰۱ء میں دعویٰ رسالت کیا ہے اس سے قبل کے تمام حوالجات اور تحریرات منسوخ ہیں۔ دیکھئے یہ مرزا صاحب کی آخری کتاب ہے اور اس میں صاف ختم

عورت کا مقام تاریخ کے آئینے میں

حکیم محمد اسلم صدیقی

کسی دور کے کسی خاص پہلو کا مطالعہ کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ اس دور کے معاشرہ کی جو اخلاقی حالت تھی اس کو بھی نظر میں رکھا جائے۔ کیونکہ معاشرہ کی جو اخلاقی کیفیت ہوتی ہے وہ اس معاشرہ کی صحیح عکاس ہوتی ہے۔

اسی لئے موضوع زیر بحث میں عورت کے متعلق تہذیب و تمدن کے قدیم مراکز اور مذاہب کا جو رویہ اور طرز عمل تھا اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس دور کے معاشرہ کی اخلاقی حالت کا بھی سرسری جائزہ پیش نظر ہے اس کے مطالعہ سے اور کئی اہم اور دوسرے ضروری امور کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

ان تمام باتوں پر بحیثیت مجموعی جب غور کیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا یا عورت کو جو مقام اور حیثیت دی گئی تھی وہ کچھ عجیب اور انوکھی بات نہ تھی بلکہ وہ تو اس دور کے معاشرتی اخلاق کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔

آئندہ اوراق کا مطالعہ کرتے وقت آپ خود بھی اسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے اپنے کو مجبور پائیں گے۔

اخلاقی اصولوں کا پہلا بنیادی کام جنسی تعلقات میں نظم و ضبط و توازن اور ہم آہنگی قائم کرنا ہے' کیونکہ یہیں سے افراتفری' تشدد' بے روی اور انحطاط کے چشمے پھوٹتے ہیں اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ شادی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور مرد' سکون و طمانیت اور اولاد کی دیکھ بھال کی خاطر مل جل کر رہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ میاں بیوی کے ساتھ رہے بغیر بھی اولاد کی پرورش ہو جاتی تھی اور آج ساتھ رہتے ہیں مگر اولاد کی پرورش کی مطلق فکر نہیں ہوتی۔ قدیم ایام میں تو شادی کی ابتدا جائداد کے قانون کی ایک شکل اور رسم غلامی کے ایک جزو کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ عورت کو اپنی عصمت کے لٹ جانے کا غم نہیں ہوتا تھا بلکہ اس بات کا خوف دامن گیر رہتا تھا کہ وہ "بانجھ" نہ ہو۔ اگر شادی سے پہلے وہ حاملہ ہو گئی تو یہ ایک خوبی شمار ہوتی تھی اور پھر با آسانی شادی ہو جاتی تھی اس کے برخلاف کنوار پن کو شادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی یہ کام کسی اجنبی کے سپرد کر دیا جاتا تھا تاکہ اس کے ذریعہ وہ حاملہ ہو جائے۔ شادی سے قبل اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی اس کام کے لئے اس کو آزادی حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں طوائفوں کا طبقہ نہیں تھا اور نہ ہی شرم و حیا کا کوئی تصور تھا یہ سب چیزیں مصنوعی سمجھی جاتی تھیں۔ عورت کی بدچلنی کوئی گناہ کی بات نہ تھی بلکہ یہ صرف ایک جرم تھا وہ بھی اس صورت میں جب کہ یہ شوہر کی مرضی کے خلاف ہو حالانکہ شوہر خود اس معاملہ میں کافی فیاض واقع ہوا تھا۔ اپنے دوست یا مہمان کی خاطر اور دلجوئی کے لئے بلاتکلف اپنی بیوی کو پیش کر دیتا تھا کیونکہ اس کی جائداد کے طور پر تھی اور معاشرہ کا یہی تقاضہ بھی تھا۔ آج کی مہذب سوسائٹی میں کیا یہی نہیں ہو رہا ہے۔ پچھلے دور کے فرانس میں تو باقاعدہ شوہر بیوی کے لئے ایک دوست خدمت گار رکھتا تھا۔

اب مختصرا تہذیب و تمدن کے قدیم مراکز اور مذاہب اور اس دور کے معاشرہ کی اخلاقی حالت پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

ا۔ میسوپوٹامیہ۔ قدیم تمدن کا گہوارہ

عورت کا مقام۔ وہاں مندروں میں دیوتاؤں کے نام پر ان کی خدمت کے لئے دیوداسیاں رکھی جاتی تھیں جو غالباً ان کے نمائندوں (پجاریوں' پروہتوں) کے کام آتی تھیں۔ والدین لڑکیوں کو اس مقصد کے لئے "نذر" کر کے فخر محسوس کرتے تھے۔ ہر کتبہ میں اس کا رواج تھا اور اس کو مقدس کام جانتے تھے۔

۲۔ بابل۔ ایک عظیم تمدن کا مرکز

عورت کا مقام۔ وہاں عورتوں کی اعلانیہ خرید و فروخت ہوتی تھی کوئی شوہر اگر بیوی کی گزر بسر کا انتظام کئے بغیر جنگ یا کاروبار کے سلسلہ میں کہیں باہر چلا جاتا تو اس کی عدم موجودگی میں بیوی کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں وقتی طور پر کسی اور سے شادی کر لے اور جب شوہر واپس آجاتا تو وہ پھر اس کے پاس لوٹ آتی تھی۔

"ہیروڈوٹس" مشہور یونانی مورخ کا بیان ہے کہ ہر مقامی عورت کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب' خوبصورت ہو یا بدشکل زندگی میں ایک بار "وینس" (یعنی اشتار) کے مندر میں ضرور جانا پڑتا تھا۔ جہاں اجنبی لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی۔ وہاں کوئی بھی کچھ نقدی اس کو پیش کرتا اور دوشیزہ اس کو قبول کر لیتی تھی۔ یہ نذرانہ خواہ کتنا ہی حقیر ہوتا وہ اس اجنبی کے ساتھ ہو لیتی تھی۔

ایک وقت آیا کہ بابل میں جنسی بے راہ روی اپنے عروج پر پہنچ گئی اور اس کا معاشرہ اس میں بہہ گیا حد یہ ہو گئی کہ نوجوانوں پر "نسوانیت" کا بھوت سوار ہو گیا۔ نوخیز لڑکے رخساروں پر سرخی لگاتے اور عورتوں کی طرح بال بناتے اور بنتے سنورتے اور زیورات پہنتے تھے۔ ادھر گھریلو عورتوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو انہوں نے "بیسواؤں" کے اطوار اختیار کر لئے۔ اب حسین عورتیں زیادہ سے زیادہ مردوں کی دلجوئی اور منظور نظر ہونے اور ان کو رجھانے کے لئے سربازار حسن کی نمائش کرتی تھیں۔ اس طرح ان دونوں صنفوں میں رقابت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا اور حد عروج کو پہنچ گیا۔ صنف ثقیل کے "چکلے خانے" بھی قائم ہونے لگے۔

۳۔ آشور۔ عسکری تہذیب کا مرکز

عورت کا مقام۔ آشوری فوجی مصالح کی بنا پر زیادہ سے زیادہ اولاد کے قائل تھے' اس لئے ان کے یہاں اسقاط حمل سنگین جرم تھا۔ اگر کوئی عورت ایسا کرتی تو اس کے جسم میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں جسم فروشی ایک مروجہ رسم تھی۔ اور حکومت خود اس کا انتظام اور سرپرستی کرتی تھی۔

۴۔ مصر۔ فراعنہ کا ملک

عورت کا مقام۔ مصری معاشرہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عورت کو بہت بلند مقام حاصل تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ کسی بھی قدیم یا جدید قوم نے عورت کو اتنی بلند اور قانونی حیثیت نہیں دی جتنی کہ مصریوں نے دی۔ اور آج کے مقابلہ میں بھی اس کی پوزیشن کہیں بہتر تھی وہ جائیداد کی مالک بن سکتی تھی بلکہ وراثت کی وہی حقدار تھی لیکن اس کے ساتھ یہ ستم ملاحظہ ہو کہ اسی جائیداد کی خاطر بہنوں سے شادی کا رواج تھا تاکہ جائیداد باہر نہ جائے بلکہ بھائی کو بحیثیت شوہر کے ملے۔ حتیٰ کہ مصری شاعری میں بھائی کا مطلب وہی ہوتا تھا جو عاشق و معشوق کا تھا اور شادی سے پہلے جنسی آزادی بھی کافی حد تک تھی دیوداسیاں مندروں سے منسلک رہتی تھیں۔ جہاں ہر قسم کی جنسی آوارگی تقدس کے لباس میں رائج تھی۔

۵۔ فینشی (کنعانی) جہاز راں اور تمدن منتقل کرنے والے

یہاں بھی معبدوں میں دوشیزگی کا نذرانہ پیش کیا جاتا تھا کیونکہ بابل کی طرح یہاں بھی زرخیزی اور پیدائش کی ایک دیوی تھی۔

۶۔ کریٹ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک کڑی

مصر کی طرح یہاں کے معاشرہ میں عورتوں کو بلند مقام اور حیثیت حاصل تھی زندگی کے تمام شعبوں میں یہ مرد کے دوش بدوش تھی اس کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ عام مجلسوں میں کھیل کود کے میدان اور ہر جگہ مردوں کے آگے ان کی نشست ہوتی تھی' رنگین' بھڑکیلے' چست و جاذب نظر لباس میں ملبوس مگر سینہ ہمیشہ عریاں ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ عیاشی اور جنسی آوارگی عام تھی اور اس پر کوئی روک

نہ تھی بلکہ یہ فیشن میں داخل تھا۔ عورت اس معاملہ میں بالکل آزادی اور خود مختار تھی۔

۷۔ یونان۔ مرکز فکر و فن اور دانشوری

عورت کا مقام۔ یونان جو تہذیب و تمدن کا قدیم گہوارہ ہے جہاں سے دور دور تہذیب و تمدن کی روشنی پھیلی وہاں عورت کا کیا مقام تھا اور ان کی نظر میں ان کی کیا قدر و قیمت تھی اس کے متعلق ان کے اس مشہور مقولہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ "آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا تو علاج ممکن ہے مگر عورت کے شر کا مداوا مشکل ہے۔ ایک یونانی ادیب کا قول ہے کہ "دو مواقع پر عورت کسی مرد کے لئے خوشی کا سبب ہوتی ہے ایک تو شادی کے دن اور دوسرے اس کے موت کے دن۔" اس دوسری خوشی کی توجیہ ضروری نہیں وجہ بالکل صاف اور واضح ہے۔

مشہور مصنف لیکی اپنی معروف کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" میں رقمطراز ہے' بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بے حد پست تھا۔ اس کی زندگی تاحیات غلامی میں (بطور لونڈی) بسر ہوتی تھی۔ بچپن میں اپنے والدین' جوانی میں شوہر کی اور زمانہ بیوگی میں اپنے لڑکوں کی وراثت میں اگرچہ اسے طلاق کا حق "قانونا" حاصل تھا لیکن اس قانونی حق سے وہ کبھی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کیونکہ نام نہاد یونانی شرم و حیا (باوجود اپنی تمام بے حیائیوں کے) کی وجہ سے عدالت میں اظہار ناپسندیدہ تھا۔

افلاطون نے بیشک مرد اور عورت کی مساوات کا بلند بانگ دعویٰ کیا تھا مگر یہ دعویٰ صرف زبانی تھا عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق اور سروکار نہ تھا۔ شادی کا مقصد خالص سیاسی نوعیت کا تھا۔ یعنی کہ اس کے ذریعے طاقتور اولاد پیدا ہو۔ جو ملک کی حفاظت میں کام آئے۔ یونان میں کھیل کود میں جیتنے والے مردوں کو حسین عورتیں بطور انعام دی جاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے بہتر اور کیا تحفہ اور انعام کسی نوجوان کے لئے پسندیدہ ہو سکتا تھا گھر میں اپ کو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ وہ جتنی چاہتا کنیزیں رکھ سکتا تھا اور بیوی کو مہمان کی دلجوئی کے لئے پیش کر دیتا تھا۔ عورت کی تجارت عام تھی اور شادی بھی خرید و فروخت ہی کی ایک مہذب صورت تھی۔

۸۔ اسپارٹا

اسپارٹا میں فوجی معاشرہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ وہ ایک فاسد ریاست تھی چنانچہ عمدہ نسل تیار کرنے اور محنتی جفاکش مہلار اور وفادار شہری بنانے کے لئے بچپن ہی سے سخت تربیت دی جاتی تھی شوہروں کی ہمت افزائی کی جاتی تھی کہ غیر معمولی صلاحیت کے اشخاص کی مدد سے اچھی اور توانا اولاد حاصل کریں اسپارٹا کے قانون میں یہ وضاحت تھی کہ معمر اور کمزور شوہروں کو اپنی کمسن بیویاں' کسی تندرست و توانا نوجوان کی زوجیت میں منتقل کر دینا چاہئے تاکہ فوج کے لئے مضبوط اور توانا سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ ایسے رضاکار نوجوان وہاں آسانی کے ساتھ مل جاتے تھے جنہیں اگر سانڈ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

"لائی کرگس" کے بارے میں اس کے سوانح نگار "پلوٹارک" نے لکھا ہے کہ وہ یک زوجگی کی جنسی اجارہ داری کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ لوگ کتوں اور گھوڑوں کی عمدہ نسل چلانے کی خاطر تو کوشش کرتے ہیں اور بہت دولت خرچ کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں کو قید میں رکھتے ہیں تاکہ انہیں سے اولاد ہو چاہے وہ احمق و کمزور اور بیمار ہی کیوں نہ ہو۔

شادی تو والدین طے کرتے تھے مگر جو لڑکیاں شادی کے بغیر رہ جاتی تھیں ان کے لئے یہ صورت تھی کہ ایک تاریک کمرے میں کچھ لڑکیاں اور اتنے ہی لڑکے داخل کر دیئے جاتے تھے' وہاں ہر ایک عملی مشغلہ کے بعد اپنے لئے ایک شریک حیات کا انتخاب کر لیتا تھا۔ ایک رواج یہ بھی تھا کہ کئی بھائی مل کر کئی عورتوں سے بیک وقت شادی کر لیتے تھے اور وہ سب ان سبھوں سے لذت یاب ہوتے تھے گویا یہ ایک مشترکہ جائیداد ہوتی تھی شادی سے قبل چونکہ جنسی آزادی عام تھی اس لئے طوائفوں اور سوشل گرلز کے زیادہ چرچے نہیں تھے۔ ہاں تجرد ایک سخت لائق تعزیر جرم تھا ایسے مجردوں کو لڑکیاں سربازار تنگ کرتی تھی۔ عشق و محبت کے معاملہ میں بڑی آزادی تھی اس میں جنس کا کوئی امتیاز نہ تھا تقریباً ہر نوجوان لڑکے کا ایک چاہنے والا ضرور ہوتا تھا۔ جو بطور محبوب و معشوق اس کی کفالت کرتا تھا اور وہ بھی اس کی محبت اور شیفتگی کا جواب محبت اور ہر مطلوبہ سلوک سے دیتا تھا وہاں کی اعلا سوسائٹی کے فیشن میں داخل تھا۔

اسپارٹا میں لڑکیوں کو سن بلوغ تک بالکل برہنہ رکھا جاتا تھا تاکہ انہیں اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رہے یہ لڑکیاں پبلک رقص اور جلسہ و جلوس میں بالکل عریاں مارچ کرتی تھیں مرد میدان جنگ میں ہوتے تو وہاں اور اگر گھر پر ہوتے تو "پبلک میں" کھانا کھاتے اور ان کی عورتیں عیش و عشرت کی محفلوں میں داد عیش دیتی تھیں۔

۹۔ ایتھنز۔ جمہوریت کا گہوارا

وہاں شادی کے موقع پر لڑکی کی مرضی معلوم کرنے کا کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ اگرچہ ایتھنز جمہوریت کا گہوارہ ہونے کا دعویدار تھا اور بڑی حد تک یہ دعویٰ صحیح بھی ہے مگر عورت اس نعمت سے محروم تھی والدین کو "کلیتا" اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں وہ شادی کے بعد مرد کی محکوم ہوتی تھی اور وراثت سے محروم رہتی تھی۔ نہ کوئی معاہدہ کر سکتی تھی نہ دعویٰ۔ جسم فروشی "قانونا" جائز تھی اور اس پر حکومت ٹیکس وصول کرتی تھی' اہم تہواروں کے موقع پر جنسی آزادی اپنے شباب کو پہنچ جاتی تھی' کوئی روک ٹوک نہ تھی وہاں بھی یونانی ذوق عام تھا وہاں کی اعلیٰ پوزیشن بیسواؤں کے حریف نوخیز لڑکے تھے جو دوسرے ملکوں سے پسند کر کے لائے جاتے تھے پہلے تو انہیں کنیزوں کی طرح استعمال کیا جاتا تھا اور جب اس قابل نہ رہتے تو ان سے غلاموں کا کام لیا جاتا تھا۔ اسپارٹا میں بھی یہی حال تھا جیسا کہ اسپارٹا کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ایتھنز میں یہ فعل اگرچہ "قانونا" ممنوع تھا لیکن رائے عامہ اس فعل کے حق میں تھی اس لئے قانون لاچار تھا کریٹ میں بھی یہ معیوب نہ تھا مگر ایتھنز میں اس کو سراہا جاتا تھا۔ چنانچہ ہیرو ہرموڈیس اور ارسٹوجن اسی یونانی ذوق میں مبتلا تھے اسی طرح "ایلیا بیڈیز" اپنے دور میں سب سے زیادہ مشہور تھا اور اس نے تو بڑے فخر کے ساتھ اپنے "عشاق" کے نام بھی گنائے ہیں۔ ارسطو کے دور میں باقاعدہ ان کا چکلہ خانہ تھا۔ یہی رجحان عورتوں میں بھی تھا خاص طور پر بیسواؤں میں یہ ذوق بہت عام تھا۔ ارسطو کے نزدیک اس کا جواز یہ تھا کہ اس طرح بڑھتی ہوئی آبادی کو روکا جاسکتا ہے۔ "وہاں کہاوت مشہور تھی کہ ڈیرے دار بیسوائیں اور نوخیز لڑکے لطف کے لئے' کنیزیں جسمانی صحت کے لئے' اور بیویاں جائز اولاد پیدا کرنے اور گھر کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ہیں۔" اگر اولاد نہ ہوتی تو رواج کے مطابق کسی عزیز یا دوست کی خدمات حاصل کرنا معمول تھا۔

غرض کہ ایتھنز کے عام باشندے نفسانی خواہشات کی تکمیل کو خواہ کسی طریقہ سے بھی ہو نہ گناہ سمجھتے تھے نہ معیوب وہ بے قید جنسی تعلقات کے شیدائی تھے۔

فلسفہ لذتیت

اس مکتب خیال کا بانی ایکورس تھا۔ جن مفکرین سے وہ متاثر تھا ان سقراط کا ایک شاگرد ارسٹپس بھی تھا۔ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد "حصول لذت ہے عقلمند وہ ہے جو مسرتوں کی خوشہ چینی کرتا ہے اور سنہرے مستقبل کی خاطر حال کی لذت کو قربان نہ کرے۔" گویا ان کا مقصد وحید

نوروزو نوبہار مئے و دلبرے خوش است
بابر عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اسپارٹا والوں کی طرح رومی بھی عمدہ اور صحت مند نسل قائم رکھنے کے قائل تھے اور اس کے لئے وہ بھی تمام وہ مسائل اختیار کرتے تھے جو اسپارٹا والوں کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے ماسوا ایک دستور یہ بھی تھا کہ اگر کوئی ناقص بیمار یا کمزور بچہ پیدا ہوتا تھا یا لڑکی پیدا ہو جاتی تھی تو باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ اسے مرنے کے لئے کہیں ڈال دے۔ رائے عامہ لاولد ہونے کو معیوب سمجھتی تھی۔ عورت کو شوہر کی موت کے بعد اس کی جائیداد سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ وہ پوری زندگی مرد کی غلامی اور محکومی میں بسر کرتی تھی یعنی باپ یا شوہر یا بیٹے کی۔

رومیوں کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ جنسی معاملات میں وہ ہمیشہ آزاد پسند رہے' ان کے یہاں بھی یونانی ذوق پھیلا تو نوخیز لڑکے میدان میں آگئے اور وہ عورتوں کے حریف بن گئے۔ دیوتاؤں کے جشن منائے جاتے تو وہاں عورتوں سے زیادہ نوخیز لڑکوں سے روسیاہی کی جاتی تھی اور جو مزاحمت

کرتا اسے قربان کردیا جاتا تھا۔ بدذوقی یا صحیح معنی میں بے حیائی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ امراء کے لڑکے بیسواؤں کی نقل کرنے لگے۔ زنانے جوتے' لباس' زیورات اور بناؤ سنگھار کرکے دعوت نظارہ دیتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ شادی اور اولاد سے مرد گریز کرنے لگے' عورتیں گھروں سے باہر نکل پڑیں اور کھیل مشاغل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگیں اور زناکاری عام ہوگئی۔ یہ تو عام معاشرہ کی حالت تھی۔ سیزر یعنی قیصر روم کے متعلق مشہور تھا کہ یہ ہر عورت کا شوہر تھا اور ہر مرد کی بیوی۔ اس نے جب گال فتح کیا تو عام طور پر لوگوں نے یہ اہتمام کیا کہ جب تک سیزر شہر میں رہے تمام خاوند اپنی بیویوں کو محفوظ مقام پر رکھ کر اس کو مقفل کردیں۔

ان کے یہاں جو دیوی دیوتا تھے ان میں یونانی دیوی دیوتاؤں کا بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ ان میں ایک یونانی دیوتا "پر اتیاپس" تھا جس کے لنگ پر عورتیں بیٹھا کرتی تھیں تاکہ اولاد ہو۔ پہلے بانجھ ہونا معیوب تھا اور ایسی عورت کو ناکارہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر حالات نے پلٹا کھایا اور اب انہیں بانجھ عورتوں سے زیادہ کارآمد اور پسندیدہ کوئی عورت نہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ نہ حمل ہوگا کہ رسوائی ہو اور نہ اولاد ہوگی جس کی پرورش کا بوجھ ہو۔ پادریوں اور ننوں کی جماعت تھی اور یہ سب بداخلاق اور حیاسوز افعال کے مرتکب تھے۔

آزادی' مساوات اور لباس و فیشن کے اعتبار سے رومی عورتیں آج کل کی مغربی عورتوں کے مشابہ تھیں اور بچوں کے مقابلہ میں کتے پالنے کے وہ بھی شوقین تھے۔

عام طور پر تہواروں کے مواقع پر جنسی آزادی کے لئے راہیں بہت وسیع ہوجاتی تھیں اور یہ تہوار اس کے لئے بہترین موقع اور فضا سازگار کرتے تھے۔ اس میں تمام اخلاقی حدود پامال کردیے جاتے تھے۔

رومیوں کے متعلق لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں بھی بڑی تفصیل تھی۔

ایران

ایران میں بھی عورت کی یہی بدحالی تھی۔ یہاں بھی وہ ایک جائیداد سمجھی جاتی تھی جو باپ سے بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ اس کی کوئی تمیز نہ تھی کہ وہ باپ کی بیوی کی حیثیت سے اس کی ماں ہے۔ خونی رشتوں کے علاوہ بہن اور بیٹی سے بھی جنسی تعلق رکھنا معیوب نہ تھا۔ شادی کرنا ان کے ضابطہ اخلاق میں ضروری نہ تھا۔ آزادانہ اختلاط کا عام طور پر رواج تھا اور اس کی بڑے پیمانہ پر تبلیغ اور تشہیر کی جاتی تھی۔ "مانی" اس مکتب فکر کا بانی اور مشہور مبلغ تھا۔ وراثت یا کسی طرح کا بھی عورت کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔

عرب۔ تہذیب و تمدن سے ناآشنا

مذکورہ بالا تہذیب و تمدن کے قدیم مراکز کا جب یہ حال تھا تو [illegible] کہا جاسکتا ہے کہ عرب جو تہذیب و تمدن کے نام سے بھی ناآشنا نہ تھے۔ عورت اور معاشرتی اخلاق کا ان کے یہاں کیا تصور اور مقام ہوگا۔ عورت کے مقام اور عزت کی بات تو دور رہی ان کے یہاں تو لڑکی کا وجود ہی سرے سے موجب ننگ و عار تھا۔ لڑکا پیدا ہوتا تو اس پر فخر و مسرت کا اظہار کرتے اور لڑکی پیدا ہوتی تو ان کا کچھ عجیب حال ہوتا۔ اس وقت وہ جس جذباتی اور نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہوتے تھے۔ اس کے متعلق قرآن نے بہت واضح نقشہ پیش کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔ جب ان میں سے کسی لڑکی کے (پیدا ہونے) کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے' اس خبر کو وہ اس حد تک برا سمجھتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنی قوم سے چھپائے پھرتا ہے (اور سوچ میں پڑ جاتا ہے) کہ آیا ذلت کو برداشت کرتے ہو [illegible] کو (زندہ) باقی رکھے یا زمین میں دفن کردے۔"

یہ تھا [illegible] کے نزدیک عورت کا تصور اور رویہ۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں۔

"قسم بخدا! ہم دور جاہلیت (اسلام سے قبل) میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات کیں اور ان کے لئے جو کچھ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔"

لڑکیوں سے نفرت اور ناگواری اس درجہ تھی کہ ایک شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس ظالم نے اس گھر ہی کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لڑکیوں کے لئے ان کے دل میں محبت و الفت کے جذبات بالکل ناپید تھے۔ وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے اس معاملہ میں وہ بڑے سنگدل اور بے رحم تھے۔

قرآن پاک نے ان کے جذبات اور کیفیات کی منظر کشی کی ہے۔ اس کے متعلق ایک دردناک واقعہ بھی سنئے۔ ایک صحابی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے درمیان انہوں نے اپنی زمانہ جاہلیت (اسلام قبول کرنے سے پہلے) کا ایک ذاتی اندوہناک واقعہ بیان کیا کہ

میری ایک چھوٹی بچی تھی جو بہت پیاری اور بھولی بھالی تھی لیکن لڑکی ہونا ہمارے لئے بے حد شرم اور عار تھا۔ باوجود یہ کہ وہ مجھ سے بہت مانوس تھی اور میں اس کو بہت چاہتا تھا لیکن [illegible] ت و عار' اس انس و محبت پر غالب تھا۔ عربوں میں لڑکیوں کو مار ڈالنے اور زندہ دفن کردینے کا کہیں کہیں دستور اور رواج تھا۔ چنانچہ میں اس پیاری بچی کو بہلا پھسلا کر ایک سنسان جنگل میں لے گیا اور وہاں میں نے اپنی اس بچی کو زمین میں دفن کردیا۔ وہ بچی ابا ابا پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی [illegible] کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بے دردی اور شقاوت کے واقعہ کو سن کر حضور رحمت دو عالم ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔ کون شقی القلب ایسا ہوگا جو ایسے دردناک واقعہ کو سن کر کانپ نہ اٹھے۔ مگر عرب باپ کا دست شفقت اپنی بچیوں کے لئے بھیڑیے کا پنجہ ثابت ہوتا تھا۔

اسی ایک واقعہ پر بس نہیں ہے۔ قیس بن عاصمؓ نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ دس لڑکیاں دفن کی تھیں۔ اگر ان کو زندہ چھوڑ بھی دیتے تو ان کو تمام حقوق سے محروم رکھتے تھے۔ شادی کی کوئی حد نہ تھی۔ جتنی عورتوں سے چاہتے شادی کرکے قید میں رکھتے تھے۔ غیلان ثقفیؓ اور وہب اسدیؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان دونوں کی دس دس بیویاں تھیں۔

شادی کی طرح طلاق بھی کوئی رکاوٹ نہ تھی مرد جب چاہتا اور جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے ہی رجوع کرلیتا۔ اس طرح وہ زندگی بھر بیوی کو دق کرتا اور بندۂ بے دام بنائے رکھتا تھا۔ خاوند کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کا اس پر پورا حق ہوتا۔ جی چاہتا تو خود اس سے شادی کرلیتے یا کسی دوسرے سے شادی کردیتے اور اگر نہ چاہتے تو وہ آزاد تھے کہ اس کی شادی کسی سے بھی نہ ہونے دیں۔ اس طرح وہ عورت کی ذات اور جو کچھ اس کے پاس مال و متاع ہوتا سب پر قابض رہتے۔ حد یہ ہے کہ سوتیلی ماں سے بھی شادی کرنا ان کے یہاں معیوب اور عار نہ تھا۔ وراثت میں ان کا کچھ بھی حصہ نہیں ہوتا تھا۔

عبدالخالق گل محمد اینڈ سنز
گولڈ اینڈ سلور مرچنٹس اینڈ آرڈر سپلائرز
شاپ نمبر ایف - ۹۱ - صرافہ
میٹھادر کراچی فون۔ ۷۳۵۵۷۳

مفتی شمس الحق مشتاق

مولانا غلام غوث ہزاروی

عظیم مذہبی و سیاسی راہنما

ممتاز مذہبی و سیاسی راہنما مولانا غلام غوث ہزارویؒ اپنی بے لوث مذہبی' سیاسی و سماجی خدمات اور خاص کر حق گوئی و بے باکی کی بدولت ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مولانا ہزارویؒ کے پاس نہ تو شاہانہ تاج و تخت تھا اور نہ ہی لاؤ لشکر' نہ جاگیردار تھے نہ سرمایہ دار۔ ان کا سرمایہ شاندار کردار اور بے داغ ماضی ہے۔ مولانا ہزارویؒ ۱۸۸۵ء میں ضلع مانسہرہ ہزارہ کے مشہور قصبہ بفہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں اسکول کے امتحان میں ضلع بھر میں اول آئے اور پھر ۱۹۱۸ء میں ازہر ہند دارالعلوم اسلامیہ دیوبند میں بھی آخری سال کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی اور ایک سال تک دارالعلوم میں ہی مدرس رہے اور ۱۹۲۰ء میں مولانا کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے دارالعلوم کی انتظامیہ نے آپ کو بحیثیت مفتی حیدر آباد دکن بھیج دیا اور ۱۹۲۶ء میں ہزارہ ڈویژن کے ممتاز علماء اور سیاسی زعماء کے اصرار پر اپنے وطن ہزارہ آگئے۔

مجلس احرار

اکابرین دارالعلوم کی طرح مولانا ہزارویؒ کے دل و دماغ میں بھی سامراج دشمنی رچ بس گئی تھی۔ وہ انگریز کے نہایت درجہ کے دشمن تھے۔ اس لئے جب ۱۹۳۱ء میں مشہور سامراج دشمن جماعت مجلس احرار کی تشکیل ہوئی تو مولانا ہزارویؒ نے اس جماعت میں شامل ہو کر برصغیر کی آزادی کے لئے زبردست جدوجہد شروع کی۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کے چپے چپے پر جلسے منعقد کئے اور مختلف علاقوں کے دورے کرکے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مجلس احرار کے پلیٹ فارم پر منظم کیا۔ مولانا کی انہی محنت اور انتھک کوششوں کے نتیجے میں مجلس احرار کے نئے مرکزی انتخابات میں مولانا ہزاروی کو آل انڈیا مجلس احرار کا مرکزی نائب صدر چنا گیا اور ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء کو مشہور آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس سیالکوٹ کی صدارت کے لئے بھی مولانا ہزاروی ہی کو منتخب کیا گیا۔ اس تاریخی کانفرنس میں مولانا نے جو صدارتی خطبہ دیا وہ وقت کی ضرورت اور سیاسیات ہند کا مکمل آئینہ تھا۔

جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ

قیام پاکستان کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد مجلس احرار کے مرکزی قائدین نے دل برداشتہ ہو کر سیاسیات سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا تو مولانا ہزارویؒ نے ایسے وقت میں بھی حوصلہ بلند رکھا اور علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا عزم لے کر ملک بھر کا دورہ کیا۔ مولانا کا موقف تھا کہ اگر اس وقت علماء کرام سیاست میں حصہ نہیں لیں گے تو مسلمانوں کو فتنہ الحاد اور فتنہ قادیانیت سے بچا کر ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔ بالآخر مولانا کی مخلصانہ کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور ۱۹۵۶ء میں ملک بھر کے چیدہ چیدہ علماء کرام کا باران بلند تک ملتان میں ایک زبردست اجتماع ہوا جس میں جمعیت علماء مغربی پاکستان کی بنیاد رکھی گئی اور متفقہ طور پر شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر اور مولانا ہزارویؒ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد ۱۹۶۲ء میں جب سیاسی جماعتوں سے پابندی اٹھائی گئی تو کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے نام سے تمام علماء کی نمائندہ جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا ہزارویؒ نے گلی گلی کوچہ کوچہ پھر کر اس تحریک کو ایسا عوامی بنا دیا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں علماء کی یہ بے سروسامان جماعت ملک کی تیسری بڑی جماعت تسلیم کی گئی اور اس جماعت نے پورے ملک میں تیسرے نمبر پر سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے۔

ایم پی اے

۱۹۶۲ء میں مولانا ہزارویؒ نے اپنے ضلع (مانسہرہ ہزارہ) سے صوبائی اسمبلی (مغربی پاکستان) کے الیکشن میں حصہ لیا اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو شکست دے کر مغربی پاکستان اسمبلی کے ایم پی اے منتخب ہوئے اور اسمبلی میں اسلامی اصولوں کی سربلندی کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ خاص طور پر عائلی قوانین کے خلاف اسمبلی میں متفقہ قرارداد مولانا کی جرائت مندانہ کاوشوں اور پارلیمانی مہارت کا نتیجہ تھی۔ مذکورہ فیملی لاء اور خلاف شریعت آرڈیننس کے خلاف مولانا نے ایک تاریخی اور موثر ترین تقریر فرمائی اور قرآن و سنت اور فقہاء امت کی تصریحات کی روشنی میں عائلی قوانین کی بہت سی دفعات کو خلاف اسلام ثابت کیا۔ مولانا کی تقریر کا دوسرے ممبران پر یہ اثر ہوا کہ جب اسپیکر نے ووٹنگ کرائی تو مولانا کی تقریر کے حق میں پورے ہاؤس نے رائے دی۔ اور صرف تین خواتین اور ایک مرد نے مولانا کے خلاف اور عائلی قوانین کے حق میں ووٹ دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مولانا ہزارویؒ کو کامیابی عطا فرمائی اور حکومت کو یہ خلاف شریعت بل واپس لینا پڑا۔

ایم این اے

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں مولانا ہزارویؒ نے قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا اور بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو شکست فاش دے کر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور جب تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو منکرین ختم نبوت کے دونوں گروہوں پر سب سے زیادہ سوالات مولانا ہی نے کئے تھے اور جب قادیانیوں کی طرف سے اسمبلی میں محضرنامے پیش کئے گئے تو مولانا ہزارویؒ نے پیرانہ سالی اور بیماریوں کے ہجوم کے باوجود تمام مشاغل منسوخ کرکے ان محضرناموں کا تحریری جواب دیا جو کہ دو سو اسی (۲۸۰) صفحات پر مشتمل تھا' جو قومی اسمبلی میں آٹھ گھنٹے تک حرف بحرف سنایا گیا۔ ممبران اسمبلی نے محضرنامے کے اس جواب پر مولانا کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا ہزارویؒ اپنے اکابر کے سچے وارث تھے۔ انہوں نے شیخ الہند کی چھوڑی ہوئی کٹھن شاہراہ عمل کو اختیار کیا۔ پھر اس راہ میں انہیں جن مصائب و آلام سے گزرنا پڑا وہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں لیکن انہوں نے ہر قسم کی سیاسی مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور بڑی سے بڑی قربانی دے کر انہوں نے درحقیقت اکابر کے اس ورثے کی حفاظت کی' حالات ہار گئے اور ہزارویؒ جیت گئے کہ وہ ناقابل شکست و ناقابل تسخیر تھے۔ قادیانیوں نے اپنے مایہ ناز مناظر اللہ دتہ جالندھری کو وادی کاغان فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ ضلع مانسہرہ کے بڑے بڑے مرزائی قادیانی خان بہادروں اور وکیلوں کی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ علاقہ کاغان کے معروف عالم دین علامہ قاضی محمد یونس نے مولانا ہزارویؒ کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مولانا کے اکلوتے جوان بیٹے زین العابدین کو موت کی ہچکیاں آرہی تھیں مولانا نے تھوڑی دیر حسب عادت غور کیا اور پھر قاصد سے فرمایا کہ آپ ٹھہریں میں گھر سے کتابیں لے کر آتا ہوں اور ابھی ہی بالاکوٹ چلتے ہیں۔ گھر جا کر کتابیں جو باندھنے لگے تو زین العابدین کی والدہ نے مقصد پوچھا تو مولانا نے فرمایا کہ میں بالاکوٹ جا رہا ہوں (زین العابدین کی والدہ جو اکلوتے جوان بیٹے کی آخری ہچکیاں دیکھ کر غم سے نڈھال ہو رہی تھیں) نے کہا کہ زین العابدین مر رہا ہے اور آپ جا رہے ہیں؟ تو مولانا نے فرمایا ہاں ادھر میرے بیٹے کے جنازے کی بات ہے جو فرض کفایہ ہے اور ادھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایمان کا سوال ہے اور اگر ایک لاکھ زین العابدین بھی مر جائیں تو اتنا نقصان نہیں جتنا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک فرد کے مرتد ہو جانے کا نقصان ہے۔ یہ کہہ کر مولانا کتابیں اٹھا کر مرتے ہوئے اکلوتے جوان بیٹے پر آخری نظر ڈالتے ہوئے گھر سے ہوئے۔ بس اسٹاپ پر پہنچ نہ پائے تھے کہ زین العابدین بھی چل بسا۔ مرتے ہوئے بیٹے کو چھوڑ کر گھر سے نکلنا بڑی ہمت ہی مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ چنانچہ مولانا بالاکوٹ پہنچے اور اللہ دتہ

قادیانی مناظر پہلے مناظرے میں ہی سخت لاجواب ہو کر میدان مناظرہ سے بھاگ کر سیدھا قادیان پہنچ گیا۔

تحریک تحفظ ختم نبوت

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے ابتدائی مراحل میں ہی مجلس احرار کے اکثر رہنماؤں کو کراچی میں گرفتار کرلیا گیا بعد میں جن لوگوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا ان میں مولانا ہزارویؒ سرفہرست تھے اور تحریک کے اختتام تک حکومت مولانا کو گرفتار نہ کرسکی جبکہ مولانا کی گرفتاری کے لئے حکومت کی طرف سے دس ہزار روپے انعام مقرر کیا گیا تھا۔ مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری جو ان دنوں احرار کی طرف سے لاہور میں بطور مبلغ کام کر رہے تھے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "ان ایام میں تنہا مولانا ہزارویؒ ہی تھے جو مسلسل اپنی ہدایات ہمیں مسجد وزیر خان میں بھجواتے تھے جن کی روشنی میں تحریک تحفظ ختم نبوت رواں دواں رہی۔" ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت تحقیقاتی عدالتی رپورٹ جو "منیر انکوائری رپورٹ" کے نام سے مشہور ہے کے صفحہ ۸۰ پر سی آئی اے کی ایک رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ برکت علی محمڈن ہال لاہور میں ۱۳؍جولائی کے آل پارٹیز کنونشن کا دعوت نامہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے جاری کیا تھا۔ اس طرح تحریک کے کارکنوں اور عمائدین کے بیانات اور سی آئی اے کی رپورٹوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحفظ ختم نبوت کی اس عظیم تحریک میں مولانا ہزارویؒ نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

حق گوئی و بیباکی

مولانا ہزارویؒ کی حق گوئی، جرأت و بیباکی کی داستانیں زبان زد خلائق ہیں۔ ڈرنا، دبنا اور جھکنا تو انہیں آتا ہی نہ تھا۔ سچی بات بلا خوف لومة لائم کہنا ان کا شیوہ تھا۔ یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے۔ مولانا حج ادا کرنے گئے تھے ماہ ذوالحجہ کا چاند بہت سے حاجیوں نے بدھ کی شام یعنی جمعرات کی شب دیکھا تھا اس حساب سے یوم الحج بروز جمعہ ۹؍ذوالحجہ کو ہونا تھا لیکن سعودی حکومت کسی وجہ سے اعلان کر بیٹھی کہ یوم الحج بروز ہفتہ ہوگا۔ کچھ لوگوں نے مولانا ہزارویؒ کو متوجہ کیا تو اس مرد قلندر نے حرم شریف میں نماز کے بعد کھڑے ہو کر عوام کو متوجہ کرکے پہلے عربی میں، پھر اردو اور پھر پشتو میں ایک جوشیلی تقریر فرمائی جس کا خلاصہ کچھ یوں تھا۔

"اسلام کے ایام عبادت چاند دیکھنے پر مقرر ہیں، کسی کیلنڈر، جنتری یا کسی شاہی حکم کے ماتحت نہیں چونکہ عوام کی اکثریت نے جمعرات کی شب خود چاند دیکھا ہے اس لئے شرعی احکام کے مطابق میدان عرفات میں یوم الحج بروز جمعہ ہوگا قافلہ کی قیادت میں خود کروں گا جو جو مسلمان میرے ساتھ متفق ہیں وہ ہاتھ کھڑے کریں۔"

چونکہ تقریر تین زبانوں میں ہوئی تھی اس لئے حرم شریف کا مجمع مولانا کا ہمنوا بن گیا۔ اس اعلان سے مکہ شریف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہلچل مچ گئی تو حکومت نے رات گیارہ بجے دوبارہ اعلان کیا کہ حج بروز جمعہ ہوگا۔ مولانا کی اس جرأت رندانہ پر ساری دنیا کے مسلمان شکرگزار ہوئے اور لاکھوں مسلمانوں نے حج جیسی عظیم عبادت کو وقت مقررہ پر ادا کیا۔ ۱۹۶۳ء میں جب جامعہ ازہر مصر کے ہزار سالہ جشن کے موقع پر مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں مولانا ہزاروی حکومت مصر کی دعوت پر شریک ہوئے تو وہاں ایک سوال یہ بھی تھا کہ جس طرح قرون اولیٰ میں اسلام کی اشاعت بہت تیزی سے ہوئی تھی اب کیوں رک گئی اس پر ایک یورپ زدہ سوڈانی پروفیسر نے تقریر میں کہا کہ اسلام چونکہ نظام غلامی کو تسلیم کرتا ہے اس لئے لوگ اسلام سے رغبت نہیں رکھتے۔ اس مرحلہ پر مولانا ہزارویؒ فوراً کھڑے ہوگئے اور صدر اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"جناب عالی! مجھے محترم مقرر کے اس نظریہ سے اختلاف ہے اس لئے مسئلہ کی وضاحت کے لئے مجھے وقت دیا جائے۔"

چنانچہ صدر اجلاس نے دوسرے دن کا وقت مخصوص کردیا تو مولانا نے دوسرے دن اس مغرب زدہ لیکچرار کی تقریر کا مدلل جواب دے کر اس کے تمام اعتراضات دور کردیئے۔ اس دورے سے واپسی پر کراچی میں ایک عظیم الشان استقبالیہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے مولانا ہزارویؒ کی اس انقلابی تقریر پر زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"جب مولانا ہزارویؒ نے اس مغرب زدہ سوڈانی کی تقریر کا مدلل جواب دینا شروع کیا تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔"

اس عالمی اجتماع میں دنیا بھر کے معروف اہل علم اور ممتاز مذہبی اسکالر موجود تھے جنہوں نے مولانا کی فصیح و بلیغ عربی میں مدلل علمی خطاب پر زبردست خراج تحسین پیش کیا جبکہ مصر اور عالم اسلام کے معروف اخبارات و جرائد نے بھی مولانا کے خطاب کو سراہتے ہوئے جلی عنوانات سے شائع کیا۔

صحافت

مولانا غلام غوث ہزاروی جمعیت علماء اسلام کے ہفت روزہ آرگن "ترجمان اسلام" کے عرصہ دراز تک مدیر اعلیٰ رہے جس میں آپ کی نوک قلم سے بے شمار علمی و اصلاحی مضامین شائع ہوتے رہے جن میں خاص کر "کالج میں ایمان"، "اسلام اور غلامی"، "دفاع صحابہؓ" اور "سامراجیت" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تصنیفات

ہفت روزہ ترجمان اسلام اور جماعتی امور میں شب و روز انہماک کے باوجود شوق کتب بینی نے آپ کے مطالعہ کو بے حد وسیع کردیا تھا۔ آپ کی علمی یادگاروں میں مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ دفاع صحابہؓ۔
۲۔ اسلام اور غلامی۔
۳۔ مسلہ اصول جنگ۔
۴۔ قانون وراثت۔
۵۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ (غیر مطبوعہ)۔
۶۔ تقریر ترمذی شریف (غیر مطبوعہ)۔
۷۔ جواب محضرنامہ (قادیانیت)۔

قید و بند

مولانا غلام غوث ہزارویؒ عظیم انسان تھے۔ ایسے ہی عظیم انسانوں کے لئے تاریخ کو مدتوں منتظر رہنا پڑتا ہے تب کہیں ایسے عظیم انسان وجود میں آتے ہیں جو صرف عظمت ہی کے معیار پر پورے نہیں اترتے بلکہ ان کو دیکھ کر عظمت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ دنیا میں صاف گوئی بہت مشکل ہے لیکن مولانا ہزارویؒ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار کرتے تھے اسی حق گوئی کی پاداش میں تقریباً چھ سال تک مختلف اوقات میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

مزاج

مولانا ہزارویؒ ایک درویش صفت انسان تھے۔ جرأت و بے باکی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے برملا کہہ دیتے تھے اور جس بات کو ناحق سمجھتے تھے اس پر فوراً ٹوک دیتے۔ جس کی حمایت کرتے علی الاعلان اور جس کی مخالفت کرتے ببانگ دہل۔ لیکن ان کی محبت اور نفرت محض اللہ اور اس کے دین کے لئے ہوتی تھی۔

بیعت

مولانا ہزارویؒ سلسلہ نقشبندیہ اور دیگر سلاسل طریقت کے بزرگان دین سے والہانہ محبت اور گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سلسلہ تصوف میں خانقاہ عالیہ سراجیہ کندیاں شریف کے معروف بزرگ حضرت مولانا خواجہ محمد عبداللہ قدس سرہ سے بیعت تھے اور ممتاز فیض یافتہ علماء میں خاص مقام پر فائز تھے۔

وفات

ہر شخص کو ایک نہ ایک دن اس دار فانی سے جانا ہے مگر مولانا ہزارویؒ اس شان سے اپنے خالق حقیقی سے جاملے کہ اسی کے ذکر میں مشغول تھے کہ بلاوا آگیا۔ ۳ اور ۴ فروری ۱۹۸۱ء کی درمیانی شب اپنے اہل و عیال سے فرمایا کہ میں آپ سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور پھر کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا۔ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے کرتے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاری عنایت الرحمان

رشوت کی لعنت

آزادی کے بعد ہمارے معاشرہ میں جن سماجی برائیوں نے جنم لیا اور بتدریج جڑ پکڑتی چلی گئیں ان میں سے رشوت سب سے زیادہ عام' سب سے زیادہ نمایاں اور غالبا" اپنے اثرات و عواقب کے لحاظ سے سب سے زیادہ خطرناک ہے' یہ صرف ایک اخلاقی و سماجی برائی ہی نہیں جس سے معاشرے کے کمزور' بے بس اور بے گناہ لوگوں کا استحصال ہوتا ہے اور ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں بلکہ اس سے حکمران طبقہ کے خلاف دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے جو غم و غصہ میں ڈھل جاتی ہے مگر نوکر شاہی کو اسکی کچھ اسطرح چاٹ پڑی ہے کہ حکومت کا شاید ہی کوئی شعبہ اس سے مبرا ہے۔

قیام پاکستان کے وقت یہ بیماری نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ ہندو اور انگریز کے ہاتھوں مسلمانوں کے استحصال مظلومیت اور تحریک پاکستان کے پیدا کئے ہوئے جذبات اخوت اور یگانگت ابھی پوری قوت شدت کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں موجزن تھے ہر پاکستانی دوسرے کو اپنا بھائی تصور کرتا اور اس سے اپنی استطاعت کے مطابق تعاون وہمدردی اور ایثار کر رہا تھا مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ کمزور ہوتا چلا گیا اور اسکی جگہ خود غرضی اور ذاتی مفاد نے لے لی' اسی جذبہ خود غرضی اور مفاد پرستی نے آگے چل کر جن برائیوں کی شکل اختیار کی ان میں سے ایک رشوت بھی ہے۔

رشوت آج کل شیر مادر کی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور ہر ممکن طریقہ سے رشوت کا مال حرام جمع کرنے کی جن کو فکر لگی رہتی ہے انکے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

"جس نے مال سمیٹا اور گن گن کر رکھا (وہ کیا) خیال کرتا ہے کہ اسکا مال ہمیشہ اسکے ساتھ رہے گا؟ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی اک آگ ہے جو جھانک لیتی ہے دل کو بڑے بڑے ستونوں میں ان پر وہ آگ بند کر دی جائیگی۔ (الھمزہ)"

رشوت ایک شجر خبیثہ ہے جو جتنا بوڑھا ہو رہا ہے اتنی توانائی پکڑ رہا ہے' تقریباً" پانچ سو سال قبل مسیح قدیم رومن سلطنت میں رشوت کا دور دورہ رہا اسکے انسداد کے لئے جتنے قانون بنائے گئے کے اتنی ترقی کرتی گئی انتخابات میں جیتنے کے لئے امیدواروں نے ووٹروں کو رشوت دینے کی بناء ڈالی حتیٰ کہ قرض کی شرح سود دوگنی ہو گئی' قدیم یونان کی حالت اگرچہ روم سے بہتر تھی مگر رشوت کا سرطان وہاں بھی موجود تھا فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں انتخابات میں کم اور عدلیہ میں زیادہ رشوت چلتی تھی رشوت ستانی کو یہودیوں نے بام عروج پر پہنچایا انہوں نے بعینہ دور حاضر کی طرح رشوت کے لین دین کے نئے نئے طریقے نکالے۔

رشوت ایک ایسا معاوضہ ہے جو حق و انصاف کا خون کرنے کے لئے ادا کیا جاتا ہے' رشوت دینے والا کسی اہل کار' افسر یا صاحب اقتدار کے ساتھ ایک سازش کرتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی دوسرے انسان' ادارہ یا محکمہ یا خود ریاست کا حق چھینا جائے اور آپس میں بانٹ لیا جائے رشوت اس بانٹ کی پیشگی ادائیگی ہے جسکے نتیجہ میں کسی بے گناہ انسان کو پھنسایا جاتا ہے اور گناہ گار یا واقعی مجرم کو چھڑا لیا جاتا ہے' اسی طرح دوسروں کے راز معلوم کیئے جاتے ہیں یا مملکت کے راز دشمن تک پہنچائے جاتے ہیں اور ترقی یا عہدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

بانی پاکستان قائد اعظم کا قول ہے کہ اس وقت جو بڑی لعنتیں مسلط ہیں ان میں رشوت اور بے ایمانی بھی شامل ہے۔

اسی طرح وہ معاوضہ بھی رشوت کے قبیل سے ہے جو کسی فرض منصبی یا واجب کام کی انجام دہی میں تاخیر بلاوجہ اور ناجائز کام کے سلسلہ میں نقد' قیمتی اشیاء وغیرہ کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے' اور رشوت وہ ناجائز مفاد بھی ہے جو اپنے اعزاز' منصب یا عہدہ کی بناء پر بلا استحقاق جائز حاصل کیا جاتا ہے جس کا بلا عہدہ حاصل ہونا ممکن نہیں ہوتا' اس طرح وہ مشاہرہ غداری بھی رشوت میں شامل ہے جو معاہدہ ملازمت کی خلاف ورزی کرنے' حکومت کی وقار' مفاد اور خزانہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے صنعتی' تجارتی اور غیر ملکی اداروں سے مقررہ مشاہرہ یا کمیشن کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔

انسان معاشرے پر اور معاشرہ انسان پر اثر انداز ہوتا ہے' معاشرہ اگرچہ کسی ملک یا علاقے کے تمام افراد پر مشتمل ہوتا ہے مگر اسکے خدوخال اور انتظامی ڈھانچہ بنانے والے وہ مخصوص گروہ ہوتے ہیں جنہیں سیاسی اور معاشی طاقت حاصل ہوتی ہے جیسا ڈھانچہ وہ بناتے ہیں معاشرے کے تمام افراد اسکے نظم و نسق اور پالیسیوں سے کم و بیش متاثر ہوتے ہیں' فی زمانہ کوئی بھی معاشرہ تمام کمزوریوں سے پاک نہیں' کچھ معاشرے ایسے ہوتے ہیں جہاں سماجی برائیاں محدود پیمانے پر ہوتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں جہاں برائیاں ہر شعبے پر محیط ہو جاتی ہیں جن معاشروں میں معاشی بے انصافیاں پائی جاتی ہوں' انتظامی کمزوریاں ہوں' افراط زر موجود ہو وہاں اخلاقی اقدار کا رو بہ زوال ہونا ایک لازمی امر ہے' پاکستان بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہے ہمارے ہاں اسلامی دعووں کے باوجود رشوت ستانی بڑھتی چلی جارہی ہے یہاں رشوت ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ جائز حقوق حاصل کرنے اور حکام کے اختیارات کے ناروا استعمال سے بچنے کے لئے بھی ضرورت بن چکی ہے۔

رشوت ستانی کے بظاہر خواہ کتنے ہی سبب نظر آئیں مگر اسکا بنیادی سبب ایک۔۔۔۔۔۔ اور فقط ایک ہے یعنی "معیار زندگی کا غلط تصور"

پہلے زمانہ میں معیار زندگی روحانی تھا اسکی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر تھی معاشرہ میں وہی معزز و محترم سمجھا جاتا تھا جو صاحب اخلاق و کردار ہوتا تھا پیکر امانت و دیانت ہوتا تھا مگر مغربی تہذیب نے ساری روحانی قدریں بدل دی ہیں اب معیار زندگی روحانی نہیں رہا سراسر مادی بن گیا ہے جسکی وجہ سے آجکل معاشرہ میں سرکار' دربار میں صرف اسے ہی معزز و مکرم سمجھا جاتا ہے جو سرمایا دار ہو خواہ اخلاقی لحاظ سے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو' صاحب امانت و دیانت کو نااہل اور نالائق تصور کیا جاتا ہے اس لئے اب ہر شخص امیر بننا چاہتا ہے' جو امیر ہیں وہ امیر تر اور جو امیر تر ہیں وہ امیر ترین بننے میں کوشاں ہیں اور وہ بھی جلد از جلد۔۔۔۔۔۔ اور بلا تاخیر! جب وہ اس کے لئے جائز وسائل کو ناکافی پاتے ہیں تو پھر ناجائز ذرائع و وسائل یعنی رشوت ستانی' ذخیرہ اندوزی' چور بازاری' قمار بازی اور ملاوٹ کا کاروبار شروع کر دیتے ہیں تاکہ دنوں میں وارے نیارے ہو جائیں اسی تگ و دو میں وہ اپنا سکون و اطمینان لٹا بیٹھتے ہیں اور بے چینی اور اضطراب کا شکار بن جاتے ہیں۔

رشوت ستانی کے جواز میں جو طبقہ تنخواہ کی کمی کا عذر پیش کرتا ہے اسکی تردید شاہی طبقہ سے کم تنخواہ پانے والوں کے صبر و قناعت' اعتدال و استقلال اور سکون و اطمینان سے ہوتی ہے اگر رشوت ستانی کی وجہ تنخواہ کی کمی ہوتی تو پھر بڑی بڑی تنخواہ پانے والے افسران رشوت نہ لیتے۔

یہ واقعات اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ رشوت ستانی کا سبب تنخواہ یا روزگار کی کمی بیشی نہیں بلکہ حب مال و زر ہے جسکی وجہ سے ہر چھوٹا بڑے کو حسد کی نگاہ سے اور ہر غریب' امیر کو شک کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور سب کے دل و دماغ میں امارت و ثروت کا خبط سمایا ہوا ہے' معاشرہ میں اس وقت جو امیر و غریب' حاکم و محکوم وغیرہ کا فرق نظر آرہا ہے وہ بالکل طبعی اور فطری ہے اگر بفرض محال ناجائز ذرائع و وسائل سے یہ فرق مدارج و مراتب مٹا دیا جائے اور ایک نیا طبقات معاشرہ وجود میں آجائے جس میں سب امیر اور سرمایہ دار ہوں اور غریب و مزدور کا وجود ہی نظر نہ آئے اور کسی کو کوئی کام کرنے والا نہ ملے تو زندگی کی گاڑی چلنے سے رک جائے۔ قصر امارت و وجاہت بے سہارا ہو کر گر جائے اور نظم کائنات درہم برہم ہو جائے اسی لیئے حکیم مطلق اور خالق کائنات نے اپنے نظام تکوینی کی بنیاد عدم مساوات پر رکھی ہے تاکہ زندگی کی گاڑی چلانے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتا رہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے" (زخرف)

اس لئے ہر شخص کا امیر بننا فطرۃً ناممکن ہے حقیقی دولت' راحت و اطمینان ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف امیر و کبیر بن جانے سے راحت و آرام کی دولت نصیب نہیں ہوتی جس پر آج مغرب و مشرق کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک شاہد عدل ہیں اور امریکہ و جاپان کی امارت و ثروت آج ضرب المثل ہے مگر جائز وسائل سے سیم و زر کے ہمالیہ پہنچ جانے کے باوجود بھی قلبی سکون و اطمینان نصیب نہیں اس لئے دنیا کے کم ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ ان دولتمند ملکوں میں خود کشی کی سب سے زیادہ وارداتیں ہوتی ہیں اور خودکشی کرنے والے غریب نہیں ہوتے بلکہ ان کا تعلق امیر طبقہ سے ہوتا ہے جو کرے انتہا دولت کے مالک ہوتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ راحت و اطمینان کی دولت صرف اور صرف اطاعت ربانی سے حاصل ہوتی ہے سیم و زر کی فراوانی سے نہیں ہوتی۔

قرآن کریم کی رو سے حق تعالیٰ نے ۲۳ نوع کے انسانوں پر لعنت فرمائی ہے جن میں ظلم کرنے والا۔ (اعراف)

حد سے گذرنے والا (مائدہ)

خدا کے حکم کے مطابق زندگی نہ بسر کرنے والا (ہود)

اختیار و اقتدار کے نشہ میں عدل و انصاف پر قائم نہ رہنے والا (محمد)

بھی شامل ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے حد سے گذرنے والے یعنی رشوت دینے اور لینے والے اور رشوت کے دلال کے متعلق فرمایا ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت برستی ہے (العیاذ باللہ) لعنت کے معنی ہیں پھٹکارنا یعنی رحمت الٰہی جو ہر چیز سے وسیع و عظیم ہے کے دائرہ سے نکال کر کوسوں دور پھینکنا ہے اور یہ ایک شدید عذاب ہے جسکی وجہ سے لعنتی پر جنت کے دروازے بند اور دوزخ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

لعنت اتنی سنگین اور شدید سزا و عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا اثر سات پشت تک رہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی لعنت کا اثر تین پشت تک رہتا ہے۔ جیسے موروثی بیماریاں ہوتی ہیں کہ "نسلاً بعد نسل" چلتی ہیں۔ اسی طرح جو جتنی زیادہ حرام کی آمدنی کھاتا ہے اتنی ہی وسعت سے حرام کے اثرات اسکی نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

ہر سطح پر رشوت کے کلی خاتمہ کے لئے اس وقت علی بن حمود کی سی جرائت دکھلانے کی ضرورت ہے اس کے بعد رشوت کا نام و نشان بھی نظر نہیں آئیگا۔ اندلس میں علی بن حمود نے جب عنان حکومت سنبھالی تو وہاں اسی طرح رشوت کا بازار گرم تھا اس نے حکومت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ عام منادی کرادی کہ جس نے ظلم یا زیادتی کی یا دوسرے سے ناحق لیا اسے خوفناک سزا دی جائیگی' منادی کے چند دن بعد وہ خود پڑتال کے لئے نکلا اس نے ایک سپاہی کو گھوڑے پر انگوروں کی ٹوکری لادے آتے دیکھا۔ علی بن حمود نے اسے روک کر پوچھا کہ یہ ٹوکری کہاں سے لائے ہو سپاہی نے لاپرواہی سے کہا کہ جہاں سے ایک سپاہی لا سکتا ہے۔ چونکہ اس وقت رشوت لینے کا عام دستور تھا اس لئے سپاہی نے رشوت تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی' علی بن حمود نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کا سر قلم کرکے اسی انگوروں کی ٹوکری میں رکھ کر اور اسکی لاش کو اسی گھوڑے کے پیچھے باندھ کر شہر میں پھرایا جائے۔ بس ایک ملازم کی قربانی دینے سے رشوت کا سیلاب تھم گیا اس تہذیب و تمدن کے زمانہ میں ممکن ہے کہ بعض لوگ رشوت کے لئے سزائے موت کو وحشیانہ قرار دیں مگر اس لعنت کے مکمل خاتمہ کے لئے بلا جھجک سزائے موت مقرر کی جانی چاہئے اور اگر چند نامور رشوت خور حکام کی قربانی دی جائے تو انشاء اللہ یہاں بھی رشوت کا سیلاب تھم سکتا ہے۔

رشوت کی کثرت ملک و ملت کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے جس ملک میں رشوت کی گرم بازاری ہو وہاں برسر اقتدار طبقہ کو مسند اقتدار سے ہٹانے اور قصر اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ سامراجی طاقتیں اسی کے ذریعہ دوسرے ممالک میں اپنا اثر و رسوخ بڑھاتی ہیں اور انقلاب لاتی ہیں جس پر مشرق وسطیٰ کی تاریخ انقلاب شاہد عدل ہے۔ لہذا اس مار آستین کو زندہ رکھنا اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے اسلئے اس کی موت ہی قوم کی حیات ہے۔

بقیہ روشن چراغ

لاجواب

جب ہم جیل سے رہا ہوئے تو حضرت پیر عالم شاہ صاحب راولپنڈی جیل میں تھے اور میاں اصغر علی صاحب فیصل آباد جیل میں۔ یہ دونوں میانوالی کے رئیس گھرانوں کے لوگ تھے۔ انہیں جیل میں اے کلاس دی گئی تھی۔ ان کے علاوہ ہمارے تمام نظر بند رفقاء سینٹرل جیل لاہور میں تھے۔ ۲ اور ۳ مارچ کو میانوالی سے جو رضاکار لاہور گئے تھے۔ ان میں سے دو چار "اتفاقاً" گرفتاری سے بچ گئے تھے۔ باقی سب مارشل لاء کی خلاف ورزی کے الزام میں طویل المیعاد سزا پا کر مختلف جیلوں میں تھے۔ قید مختصر والے تقریباً سب ہم سے پہلے رہا ہوگئے تھے۔ امیر عبداللہ خان روکھڑی پنجاب اسمبلی کے رکن تھے۔ انہوں نے ہمارے نظر بند ساتھیوں کی رہائی کے لئے کوشش شروع کی۔ حضرت پیر صاحب مرحوم کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے راولپنڈی جیل سے مجھے خط لکھا کہ "مجھے یہاں یکسوئی حاصل ہے' تلاوت بھی کرلیتا ہوں اور مثنوی شریف کا مطالعہ بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ میری رہائی کے لئے کوشش نہ کی جائے۔" حضرت پیر صاحب کو کوشش سے رہا ہونا پسند نہ تھا اور اس معاملے میں ان کی پسند کو ملحوظ رکھنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا۔

روکھڑی صاحب کی چند دن کی کوشش سے سب نظر بند رہا ہوگئے۔ ہم لوگ ریلوے اسٹیشن گئے' لاہور اور راولپنڈی کی گاڑیاں ایک ہی وقت میں پہنچی تھیں۔ لاہور سے آنے والے ساتھی ریل سے اترے' پلیٹ فارم خالی ہوا اور راولپنڈی والی گاڑی پلیٹ فارم پر آگئی۔ حضرت پیر صاحب اس میں تشریف لائے تھے۔ حضرت پیر صاحب کا مجلس احرار سے کبھی تعلق نہیں رہا تھا۔ جب انہیں گرفتاری کے بعد راولپنڈی جیل لے جایا گیا تو وہاں ایک صوبائی وزیر ان سے ملنے آئے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وزیر صاحب بولے آپ معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو رہا کردیا جائے۔ آپ کاغذ پر اتنا لکھ دیں کہ میرا احرار سے تعلق نہیں ہے۔ ہم آپ کو رہا کردیں گے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ "او وزیر صاحب! یہ تو بہت بڑی بات ہے" تو اگر کہے کہ کاغذ پر پیشاب کردے تو میں یہ بھی نہیں کروں گا۔"

"(تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۷۰ تا ۱۷۴' از مولانا اللہ وسایا)

رتبہ بلند

فاروق آباد کا ایک نوجوان محمد اکرم کمبوہ جو شیخوپورہ کالج میں بی اے کا طالب علم تھا' ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا گیلانی صاحب میرے دل میں کسی اہل اللہ سے بیعت ہونے کا شوق ہے اور اکثر سوچتا تھا کہ کسی بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔ پھر وہ رو پڑا اور کہا رات میں نے خواب دیکھا ہے' وہ سن لیں اور میری مدد کریں۔

خواب : حسب عادت میں اسی سوچ میں سو گیا کہ کس بزرگ کو اپنا پیشوا بناؤں۔ دیکھتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لاتے ہیں اور فرمایا خان محمد خانقاہ سراجیہ والوں سے بیعت ہو جاؤ۔ اس ارشاد کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے اسے رقعہ دے کر حضرت کی خدمت میں کندیاں بھیج دیا۔ حضرت نے اسے بیعت فرمالیا۔

"(حدیث خواب" ص ۷۰' از سید امین گیلانی)

دنیائے محبت میں ملے اور بھی لیکن
وہ سب سے حسین' سب سے الگ' سب سے جدا

دردِ دل

"میں چاہتا ہوں کہ مخالفین اسلام کی بے انتہا سعی اور کوشش کا جواب دیا جائے۔ بالخصوص مرزائی جماعت کا فتنہ فرو کرنے میں جو کچھ ہو سکے اس سے دریغ نہ کیا جائے اور نہایت انتظام کے ساتھ یہ سلسلہ میرے بعد بھی جاری رہے۔ اس لئے رائے یہ ہے کہ ایک انجمن قائم کی جائے' جس کا نظم تم لوگ اپنے ہاتھ میں لو اور اس کے لئے ہر وہ شخص جو مجھ سے ربط و تعلق رکھتا ہے' وہ اس میں حسب

حیثیت التزام کے ساتھ ماہانہ شرکت کرے۔ ورنہ جو شخص میرے اس دینی اور ضروری کہنے کی طرف بھی متوجہ نہ ہوگا میں اس سے ناخوش ہوں اور وہ خود یہ سمجھ لے کہ اس کو مجھ سے کیا تعلق باقی رہا۔"

("سیرت مولانا محمد علی مونگیری" ص ۳۰۱' از سید محمد الحسنی)

دوستو! دستور دنیا ہے کہ جب بھی اندھیرا پھیلتا ہے' اس اندھیرے کو دور کرنے کے لئے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ بلب اور ٹیوبیں روشن کی جاتی ہیں۔ کوئی چراغ کسی جھونپڑی میں جلتا ہے۔ کوئی بلب کسی کمرے میں روشنی کرتا ہے۔ کوئی ٹیوب کسی گلی یا بازار میں روشنی بکھیرتی ہے تاکہ اندھیرے میں کوئی ٹھوکر کھا کر گر نہ جائے' کوئی لٹ نہ جائے' کوئی مسافر راستہ نہ بھٹک جائے۔

ہم نفسو! قادیانی لٹیرے دنیا میں قادیانیت کا اندھیرا پھیلانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں تاکہ اس اندھیرے میں جھوٹی نبوت کا کھوٹا سکہ چل سکے۔ کسی کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جاسکے۔ کسی مسافر کو بھٹکا کر لوٹا جاسکے۔ حق و باطل میں تمیز نہ ہوسکے۔ سچی اور جھوٹی نبوت کی الگ الگ پہچان نہ ہوسکے۔

صاحبو! آؤ اس اندھیرے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم بھی چراغ جلائیں۔ ملت اسلامیہ کا ہر فرد ایک چراغ ہے۔ آؤ ان چراغوں کو روشن کریں۔ ان میں خون جگر ڈالیں۔ ان میں جہاد کا تیل ڈالیں۔ ان کے ایمان کی لو بلند کریں۔ پھر یہ چراغ بستی بستی' گاؤں گاؤں' نگر نگر' شہر شہر اور ملک ملک روشن ہوں اور قادیانیت کا اندھیرا سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے اور کسی کی متاع ایمان نہ لٹ سکے۔

قانون شہادت پر شبہات کی حقیقت

کریں۔ خود غرض و خواہش پرست لوگوں کے جھوٹے و مغالطہ آمیز پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔ یہ لوگ ہماری دنیا و آخرت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے خیر خواہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم و حکیم کون ہوگا؟ اس کے ہر حکم میں شفقت و حکمت پوشیدہ ہے اور اس کے رسول ﷺ کی یہ صفت ہے کہ۔

"جو تکلیف تمہیں پہنچتی ہے وہ اس پر گراں گزرتی ہے' تمہاری بھلائیوں کے لئے حریص ہے خاص کر مومنوں پر بہت زیادہ شفقت و رحم کرنے والا ہے۔"

صحابہ کرامؓ کے ایمان بالغیب کا یہ حال تھا کہ وہ مشاہدہ کے مقابلہ میں رسول ﷺ کی خبر پر زیادہ یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معراج کے واقعہ کی تصدیق کی تو انہیں صدیق کا لقب ملا حالانکہ اس زمانہ میں یہ عقل و مشاہدہ کے خلاف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابیؓ کو نبی کریم ﷺ نے ایک جاسوس عورت کو پکڑنے کے لئے بھیجا جو مسلمانوں کے حالات کی خبر لے کر مکہ جا رہی تھی۔ حضرت علیؓ نے اسے ایک مقام پر پکڑ لیا اور پیغام کے کاغذ کا مطالبہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ ظاہری تلاشی لی تب بھی نہیں نکلا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ضرور خفیہ پیغام ہے خود حوالہ کردو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد اس نے سر کے بالوں (جوڑے) سے پیغام نکال کر دیا۔

جب ایران فتح ہوگیا اور کسریٰ کے خزانے اور دیگر سامان حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؓ نے سامان کی تلاشی لی اس میں سے آپؓ کی مطلوبہ چیز نہیں ملی۔ آپؓ نے دوسری دفعہ تلاشی لینے کا حکم دیا تب بھی وہ چیز نہیں نکلی تو آپؓ نے پھر تلاشی لینے کا حکم دیا آخر کار بڑی محنت سے اس میں سے سونے کے کنگن نکلے۔ صحابہ کرامؓ نے تعجب سے پوچھا کہ آپؓ نے اس کے لئے اتنی جستجو کیوں کی؟ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھ میں ڈالے جائیں گے۔ اس لئے مجھے یقین تھا کہ اس میں ضرور کنگن ہیں اگرچہ ہمیں نظر نہیں آرہے ہیں پھر آپؓ نے وہ کنگن سراقہ کو تھوڑی دیر کے لئے پہنائے۔

صحابہ کرامؓ کے اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں اور یہی صحابہؓ اس ایمان بالغیب' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر کی تصدیق ہی کے ذریعہ جہاں گیرو جہاں آراء ہوئے۔ آج ہم ایمان کی کمزوری اور اللہ و رسول ﷺ کے کلام میں شک کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں اور غافل و مدہوش شخص کی طرح اپنے مال و اسباب سے فائدہ اٹھانے کے بجائے دوسرے کے مال و اسباب پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ جیسا ایمان عطا فرمائے (آمین)۔

بقیہ قرآن کریم مستشرقین کی نظر میں

"قرآن جس کو خدا نے محمد (ﷺ) کے دل پر انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل کیا۔ بے شک ایک روشن اور پر حکمت کتاب ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ سچا نبی صدیق اور اس خدا کا جو ہر ایک کلام کے پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے فرستادہ تھا بلکہ وہ ایک ایسا عظیم الشان اور جلیل القدر نبی تھا کہ جس نے بارادہ الٰہی اسلام جیسے عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھی۔ اور اسے کتم عدم سے عالم وجود میں لانے کی توفیق پائی۔ اس کے پیروؤں کی تعداد تیس کروڑ (بلکہ چالیس کروڑ) سے بھی بڑھ گئی۔ جنہوں نے سلطنت روما کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کردیا اور ارباب ضلالت کی جڑوں کو اپنے فتح مند نیزوں کی نوکوں سے کاٹ ڈالا۔ یہاں تک کہ ان کے ذکر سے مشرق و مغرب کی مقتدر طاقتیں کانپ اٹھیں۔"

نیز یہی محقق اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں لکھتا ہے۔

"محمد (ﷺ) نے باوجود یکہ وہ امی تھا' اور لکھ پڑھ نہ سکتا تھا ایک ہی وقت میں تین عظیم مقاصد یعنی قومیت' دیانت اور شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ ایک ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کی جو بلاغت کا ایک زبردست نشان شریعت کا واجب العمل دستور اور دین و عبادات کا قابل اذعان فرمان ہے۔ یہ وہ مقدس کتاب ہے جو اس وقت تمام دنیا کے ۱/۶ حصہ میں معتبر اور مسلم سمجھی جاتی ہے۔ اس کی انشاء و حکمت کو ایک بین معجزہ مانا جاتا ہے اور خود اس کے مخالف نے بھی اسے بطور اعجاز پیش کیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم مسلمان قوم کو اس عظیم و مقدس کتاب' دائمی دستور العمل' بہترین رہبر و رہنما اور قابل اعتبار قانون شریعت کو اپنی زندگی کے ہر عمل میں اپنانے اور اس کے ہر حکم کو بجا لانے اور منہیات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین بر حمتک رب العالمین)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ العالی کی تصنیف

آپ کے مسائل اور ان کا حل

کی پانچویں جلد چھپ گئی ہے جو

نکاح و طلاق کے مسائل پر مشتمل ہے

تاجروں اور طلبہ کے لئے خصوصی رعایت

قیمت : ۱۵۰ روپے

(وی پی ہرگز نہیں ہوگی)

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست ہم سے منگوائیں

اسٹاکسٹ ۔ عبداللطیف

جامع مسجد باب الرحمت پرانی نمائش

ایم اے جناح روڈ۔ کراچی ۷۴۴۰۰

انسانی حقوق کے محافظ

ابو الحسن منظور احمد شاہ آسی، مانسہرہ

آج کل ہمارے سیاسی لیڈر بلم نہاد جمہوریت کے دعویدار اور انسانی حقوق کے تحفظ کے علمبردار جو مساوات کا نعرہ لگاتے ہیں وہ صرف سیاسی چال ہے نہ تو انسانی حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں اور نہ ہی مساوات کو اپنا سکتے ہیں یہ نعرہ لگا کر عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا مقصد ہوتا ہے اس دور کے تمام لیڈروں کی یہی حالت ہے خواہ مذہبی ہوں یا سیاسی خواہ اقتدار میں ہوں یا اختلاف میں اس میں سرمو بھی فرق نہیں۔ ذرا ان صحابہ کو دیکھئے جنہوں نے انسانی حقوق کا تحفظ بھی کیا اور دنیا کو اسلامی مساوات سے روشناس کرایا۔ اور صرف خدا کی رضا اور خوشنودی ان کا مقصد زندگی اور اپنے آقا کی اتباع مقصد حیات تھا۔ نہ "زندہ باد" کے نعروں کی خواہش اور نہ عوام کے دلوں کو مسخر کرنا مقصد تھا۔ اور اپنی تو اپنے خود غیروں نے بھی، غیر مسلموں نے بھی، متعصب کفار نے تسلیم کیا کہ ان جیسا انسانی حقوق کا محافظ اور انسانی مساوات کا حامل نہ آج تک ہوا اور نہ ہی آئندہ ہوگا چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اسلام سے پہلے مکہ کے مشہور تاجر تھے اور کپڑا فروخت کرتے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد تمام مال راہ خدا میں خرچ کر دیا اور وہ وقت بھی آیا نہ کھانے کے لئے روٹی میسر تھی نہ تن کے لئے کپڑا جب نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے مشوروں سے بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ اور وہ ڈھائی ہزار درہم سالانہ تھا۔ ایک دن ان کی زوجہ محترمہ نے کہا میٹھا کھانے کو جی چاہتا ہے تھوڑا تھوڑا روزانہ بچا لیا کرو جب کچھ رقم جمع ہو گئی تو بی بی نے کوئی میٹھی چیز تیار کی۔ آپ نے پوچھا روزانہ کس قدر بچایا تھا انہوں نے کوئی مقدار بتائی تو آپ نے بیت المال کے نگران کو لکھا کہ اتنا وظیفہ کم کر دیا جائے۔ جب سیدنا صدیق اکبرؓ بیمار ہوئے تو ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کہا کہ مجھے بیت المال سے ایک دودھ دینے والی اونٹنی دی گئی تھی ایک برتن اور ایک چادر اور ایک خادمہ یہ بیت المال کو واپس کر دینا۔ جب یہ چیزیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی گئیں تو انہوں نے کہا اللہ ابوبکرؓ پر رحم کرے اپنے جانشین کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔

۲۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے بارہا کہا کہ مجھے بیت المال سے صرف اس قدر ملنا چاہئے جس سے میری اور میری اہل و عیال کی گذر اوقات ہو جائے چنانچہ دو درہم روزانہ مقرر کئے گئے۔ اور سال میں صرف دو جوڑے کپڑوں کے لئے۔ جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے جاتے تو سواری دی جاتی تھی آپ کے کھانے کی یہ حالت تھی کہ جو کھانا آپ کے لئے لایا جاتا تھا اسکو عام آدمی بھی نہ کھا سکتا تھا آپ کے لباس میں اکثر پیوند ہوتے تھے جب شام کے سفر پر تشریف لے جانے لگے تو جو لباس پہنا ہوا تھا اس پر پیوند تھے صحابہ نے کہا بھی کہ آپ جس سفر پر جا رہے ہیں وہ لوگ بڑی شان سے رہتے ہیں وہاں ہماری سبکی ہوگی آپ نے فرمایا عزت لباس کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ ایک دن کافی دیر تک گھر میں رہے جب باہر آئے تو فرمایا کہ کپڑے زیادہ میلے ہو گئے وہ دھوئے تو انکے خشک ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس بات سے اندازہ کریں وہ مساوات پر صحیح عمل کرنے والے تھے یا کہ زبانی جمع خرچ کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں خدا کا خوف آخرت کی فکر تھی اور رعایا کے مال یعنی قومی خزانے کو قوم کی امانت سمجھتے تھے سیدنا فاروق اعظمؓ ایک رات چراغ جلا کر سرکاری کام کر رہے تھے اتنی میں ایک صحابی تشریف لائے اور وہ سرکاری کام بھی ختم ہو چکا تھا چنانچہ چراغ بجھا دیا اس صحابی نے پوچھا کہ امیر المومنین آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا آپ نے فرمایا کہ اس چراغ میں بیت المال کا تیل ڈالا ہوا ہے چونکہ سرکاری کام ختم ہو چکا ہے اب میں اس کو نہیں جلا سکتا۔ اس دور میں سرکاری گاڑیوں میں سرکاری پٹرول یا ڈیزل ڈال کر مختلف اداروں کے افسران جس طرح ذاتی استعمال میں لاتے ہیں انہیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ پٹرول کے ایک ایک قطرے کا انہیں کل خدا کے سامنے جواب دینا پڑے گا سابقہ حکومت میں تو تمیں چالیس کروڑ روپے صرف طیارے کی تزئین و آرائش پر خرچ کر دیئے تھے اور موجودہ حکمران ایک خطیر رقم اپنے باپ کے مقبرے پر قومی خزانے سے خرچ کر رہی ہے جو سراسر زیادتی ہے اور قومی خزانے میں خیانت ہے جبکہ غریب کو دو وقت کھانا بھی میسر نہ ہو اور صدر مملکت لاکھوں روپیہ شکار پر لگائیں۔ اور کروڑوں روپیہ سرکاری خزانے سے اپنے بیٹے کی ڈگری کے تقریب میں شرکت کے لئے خرچ کر دیں تو کیا خدا کے سامنے جواب نہیں دینا پڑے گا۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور میں بیت المال کا اونٹ گم ہو جاتا ہے۔ گرمیوں کا موسم ہے شدت کی گرمی ہے عین دوپہر کے وقت آپ اونٹ تلاش کر رہے ہیں راستے میں حضرت عثمان غنیؓ ملتے ہیں امیر المومنین سے ماجرا پوچھتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ اونٹ تلاش کر رہا ہوں حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ کسی غلام کو بھیج دیتے خلیفہ وقت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن باز پرس تو مجھ سے ہوگی۔ خدا خوفی اس کا نام ہے ہمارے سیاسی رہنما جس طرح عوامی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں کاش کہ تھوڑا سا جذبہ بھی خدمت کا ان کے دلوں میں ہوتا ایک دفعہ بحرین سے مشک آیا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ کوئی عورت تول دیتی میں اسکو تقسیم کر دیتا آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عاتکہؓ نے عرض کیا میں تول دیتی ہوں آپ نے فرمایا کہ تمہیں اجازت نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ تمہارے ہاتھ میں مشک لگ جائیگا اور وہی ہاتھ تم پھر گردن پر پھیرو گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں سے زیادہ تمہارا حصہ بن جائے گا۔ کوئی ماں کا لعل ہے جو ایسی مساوات کا مظاہرہ کر سکے۔ ایک دن خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ ہم آپ کا خطبہ نہیں سنیں گے اس لئے کہ مال سے ہمیں تو ایک چادر ملی ہے آپ کے پاس دو کہاں سے آگئیں آپ کے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا ایک چادر ابا جان کی ہے اور دوسری میری ہے چونکہ ابا جان کے کپڑے دھوئے ہوئے تھے ایک کی تہبند باندھی ہے اور دوسری انہوں نے اوپر کی ہوئی ہے اگر آج کے دور کا کوئی حاکم ہوتا تو اعتراض کرنے والے کی لاش کا بھی شاید پتہ نہ چل سکتا لیکن وہ صحیح عوامی دور تھا۔ جب سیدنا فاروق اعظمؓ کی وفات کا وقت آیا شدید زخمی تھے بیٹے کو بلا کر فرمایا کہ بیت المال کے ۸۰ درہم مجھ پر قرض ہیں میرا باغ فروخت کر کے قرض ادا کرنا چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے گواہوں کے سامنے وعدہ کیا۔ جو بعد میں پورا کیا گیا اور جب عثمان غنیؓ تیسرے خلیفہ منتخب ہو گئے تو ان سے باقاعدہ ادائیگی قرض کی تحریر لی گئی ایک وضاحت کر دوں کہ ہمارے ملک میں جتنی حکومتیں آئیں ان سب نے قومی خزانہ کو بیدریغ استعمال کیا صرف موجودہ حکومت ہی مورد الزام نہیں ہے۔ یہ حکومت کا طریقہ نہیں بلکہ کسی بھی حکمران نے ملکی خزانے کو قوم کی امانت نہیں سمجھا۔ اور نہ ہی یہ خیال کیا کہ اگر ہم اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے اگر آج خیانت کریں گے تو کل خدا کو پائی پائی کا جواب دینا ہوگا۔ اور خیانت کی سزا بھی ملے گی۔

خوشخبری : لادینیت، کفر اور جہالت کے قدیم و جدید اندھیروں کے خلاف چراغ ہدایت

"مکتبہ لدھیانوی" کا قیام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے عام فہم اصلاحی خطبات کی اشاعت سے آغاز

آپ کے مسائل اور انکا حل اور دیگر تصانیف

محمد عتیق الرحمان۔ ناظم مکتبہ لدھیانوی جامع مسجد فلاح نصیر آباد فیڈرل بی ایریا بلاک ۱۴ کراچی ۳۸

KHATME NUBUWWAT (AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)
Registered No. M-160

دہشت گرد و تخریب کار کون؟

کیا حکومت اِن کو کیفرِ کردار تک پہنچائے گی

پاکستان میں تخریب کاری، دہشت گردی، قتل و اغوا کی منظم وارداتوں پر پاکستان کا ہر شہری سراسیمگی اور خوف و ہراس کا شکار ہے۔ افسردہ، خوف زدہ اور پریشان ہے۔ ہر شخص چیخ اٹھا ہے کہ اس میں اسرائیل، بھارت اور امریکہ کے ایجنٹ ملوث ہیں۔ ملک عزیز کو دشمن ناگفتہ بہ حالات سے محض اس لیے دوچار کر رہا ہے کہ یہ طاقتیں پاکستان کی افواج اور پرامن ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ آئیے دیکھیے ان پاکستان دشمن طاقتوں کا پاکستان میں ایجنٹ کون ہے؟

اسرائیل اور مرزائی

① اسرائیل میں مرزائی مشن قائم ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ تحریک جدید ستمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۴) اور اسرائیلی فوج میں چھ سو قادیانی ملازم ہیں۔ [illegible]

② اسرائیل میں مرزائی مشن کے انچارج کا اسرائیل کے صدر سے رابطہ ہوتا ہے۔ (۱۳ جنوری ۱۹۸۶ء نوائے وقت لاہور)

بھارت اور مرزائی

① مرزائی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر آنجہانی نے اعلان کیا کہ پاکستان و ہندوستان کی تقسیم عارضی ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ دوبارہ اکھنڈ ہندوستان بن جائے۔ (الفضل قادیان ۱۷ مئی ۱۹۴۷ء)

② مرزائی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کی تقسیم غیر فطری ہے۔ اس تقسیم کو ختم کر کے ایک ہو جانا چاہیے۔

امریکہ اور مرزائی

① امتناع قادیانیت آرڈیننس کو ختم کرانے کے لیے دباؤ اور امداد کی بندش و بحالی کو اس سے وابستہ کرنا۔

② حالیہ فسادات و تخریب کاری اور دہشت گردی سے قبل ایک ماہ میں امریکی سفارت کاروں کا ربوہ میں تین بار آنا، مرزائی قیادت سے علیحدگی میں ملاقاتیں جس کی تفصیلات کا پاکستان کی ایجنسیوں کو بھی علم نہیں۔ (حالیہ اخبارات، جنگ، نوائے وقت لاہور)

جس طرح

دنیا بھر کے یہودی مسلمان اور مسلم حکومتوں کے خلاف منظم سازشوں میں مصروف کار ہیں۔ اسی طرح قادیانی جماعت "سیاسی پناہ" کے نام سے منظم طریقے سے اپنے افراد کو تخریب کاری و دہشت گردی کی تربیت کے لیے بیرون ملک بھجوا رہی ہے۔ ان تخریب کاروں کے آنے جانے کا یہ عمل مسلسل کئی سال سے جاری ہے۔

اِن حالات میں

حکومت پاکستان اپنی ذمے داری کا احساس کرے، غیر ملکی ایجنٹ، سازشی گروہ پر مقدمہ چلائے اور قادیانی جماعت کو خلاف قانون قرار دے کر ان کے اثاثوں کو منجمد کرے۔

شعبہ نشر و اشاعت: عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت (ملتان، پاکستان)